رختِ سفر

ڈاکٹر علامہ اقبال کا غیر مطبوعہ کلام کا مجموعہ

مرتبہ

سید عبدالواحد معینی ایم۔اے (آکسن)
معتمد مجلس اقبال کراچی

قیمت RS:- 3/50 NP.

سول ایجنٹ

شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار۔ لاہور

نذر عقیدت

درس ماضی از کتاب حال گیر　　ساغر از خم خانۂ اقبال گیر

حضرت اقبال آں بالغ نظر　　دارد از بود و نبود ما خبر

ما بہ ذوقِ سوختن ہا ساختیم　　بیخودی را از خودی نشناختیم

آں نوا پردازِ اسرارِ ازل　　شہسوارِ عرصۂ علم و عمل

بیخودی را در خودی منزل شناس　　در غبار کارواں محمل شناس

از نوائش بزم یورپ در خروش　　حکمت امریکہ او را سفتہ گوش

نالہاے آتشینِ آں حکیم　　سوخت رخت فتنۂ امید و بیم

ساخت باد لہا و بودش ہیچ نیست

سوخت دل ہا را و دودش ہیچ نیست

گرامی

نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم
حدیث عشق بے باکانہ گفتم
شنیدم آنچہ از پاکان امت
ترا با شوخیٔ رندانہ گفتم

انتساب

میں اس مجموعہ کلام اقبال کو اپنے پیارے جواں مرگ برادر زادہ سید عبدالاحد معینی جعفری ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سابق جج اجمیر کے نام پر معنون کرتا ہوں۔ مرحوم نے اس مجموعہ کی ترتیب میں میری بے حد مدد کی تھی۔

آج مرحوم حیدر آباد (سندھ) میں اپنے پروردگار کی آغوش رحمت میں ہمیشہ کی نیند سو رہا ہے۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو اس مجموعہ کے مطالعہ سے بے حد محظوظ ہوتا۔

اے روشنی دیدۂ روشن چگونہ — من بے تو تیرہ روز و تو بے من چگونہ

ماتم سرا ست خانۂ من در فراق تو — تو زیر خاک ساختہ مسکن چگونہ

بر خار و خس کہ بستر و بالین خواب تست

اے یاسمن عذار سمن تن چگونہ

پیش لفظ

اس مختصر مجموعہ میں حضرت اقبال رح کے اس کلام کو شایع کیا جا رہا ہے جو انکی مطبوعہ تصانیف میں نہیں ہے۔ مدتوں علامہ مرحوم کا یہ ستور رہا کہ جب کوئی نظم لکھتے تو اس کو کسی رسالے میں اشاعت کے لئے بھجوا دیتے یا کسی دوست کو دیدیتے۔ جب علامہ کو اُردو کلام کے پہلے کلیات کے شایع کرنے کا خیال آیا تو جو نظمیں بآسانی دستیاب ہو سکیں یا جو ان کو یاد تھیں صرف وہی نظمیں اس میں شامل کر دی گئیں۔ بانگ درا کی اشاعت سے پہلے اکثر عقیدتمندان اقبال رح کا یہ دستور تھا کہ جب علامہ مرحوم کا کلام کسی رسالہ میں شایع ہوتا تو اس کو جمع کر لیتے۔ علامہ کا بیشتر کلام مخزن اور زمیندار میں شایع ہوتا تھا مگر کبھی کبھی پنجاب کے دوسرے اخبارات میں بھی شایع ہو جاتا تھا۔ غرضکہ اس کلام کا جمع کرنا آسان نہ تھا۔ مگر دلدادگانِ اقبال رح ہمہ تلاش میں رہتے تھے اور اکثر اصحاب نے اس بانگ درا کی اشاعت سے پہلے ہی کلام اقبال رح

کا کافی ذخیرہ موجود تھا، اس میں سے ایک شیخ عبدالحمید صاحب ایم۔ اے علیگڈھ میں طالب علم تھے۔ ان کے پاس علامہ مرحوم کے کلام کا ایک نایاب مجموعہ تھا یہ صاحب بڑی دریا دلی سے دوستوں کو اس مجموعہ سے استفادہ کا موقع دیا کرتے تھے۔ دوسرے صاحب مولوی عبدالرزاق حیدرآبادی ہیں۔ ان کو علامہ کے کلام سے عشق تھا۔ عبدالرزاق صاحب نے بعد میں اپنا مجموعہ کلیاتِ اقبال کے نام سے شایع کر دیا۔ میں نے عبدالرزاق صاحب کے مسودہ اور ان کے مرتبہ کلیات سے بھی پورا فائدہ اٹھایا۔ جب میں سری نگر گیا تو وہاں منشی سراج الدین صاحب مرحوم کی ضخیم بیاضوں میں علامہ کی بہت سی غیر مطبوعہ نظمیں ملیں منشی صاحب کو قدرت نے شعر و سخن کا عجیب ذوق عطا کیا تھا اور وہ جب تک زندہ رہے سری نگر ان کی وجہ سے ایک ادبی مرکز بنا رہا۔ علامہ مرحوم سے ان کے نہایت دوستانہ تعلقات تھے اور خط و کتابت رہتی تھی علامہ ان کو اکثر اپنا کلام بھیجتے رہتے تھے۔ منشی صاحب ان خطوط کو جن پر علامہ کا کلام ہوتا تھا نہایت احتیاط سے بیاض میں چسپاں کر کے رکھ لیا کرتے تھے۔ عالیجناب دین محمد صاحب گورنر سندھ نے بھی میری رہنمائی فرمائی۔ دین محمد صاحب علامہ مرحوم کے دوستوں میں سے

ب اور ان کو علامہ کا بیشتر کلام حفظ یاد ہے۔ حیدرآباد دکن میں بعض احباب نے میری
رد فرمائی اور جناب ڈاکٹر محی الدین صاحب زورؔ کے نایاب کتب خانہ سے بیحد مدد ملی
س کتب خانہ میں اردو رسائل و جرائد کی مکمل جلدیں موجود ہیں۔ ان سے بھی فائدہ
ٹھایا۔ غرضکہ گذشتہ چالیس سال سے کلام اقبال کا جمع کرنا میرا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ اور
س کے لئے میں نے اکثر طویل سفر بھی اختیار کئے۔

غبارِ راہ گشتم سرمہ گشتم طوطیا گشتم
بچندیں رنگ گشتم تا بچشمت آشنا گشتم

یری ناچیز کوششوں کے نتیجہ میں میرے پاس علامہ کے اس کلام کا جو ان کی کسی مطبوعہ
تاب میں شامل نہیں ہے کافی ذخیرہ جمع ہوگیا۔ بعض احباب نے اس مجموعہ کی اشاعت
کے لئے اصرار کیا۔ بعض نے اس وجہ سے اشاعت سے منع فرمایا کہ خود علامہ نے جس کلام
و اپنے کسی کلیات میں شایع نہ کیا تھا اس کو کیوں شایع کیا جائے۔ غرض میں اس کشمکش
یں تھا کہ میری ملاقات لندن میں ۱۹۳۶ء میں شفیق محترم سر عبدالقادر مرحوم سے ہوئی۔ جب

میں نے اپنے مجموعہ کا ذکر صاحب موصوف سے کیا تو انھوں نے نہایت شدت سے اس مجموعہ کی اشاعت پر زور دیا۔ انڈیا آفس لندن میں بیٹھے ہوئے سر عبدالقادر نے بار بار فرمایا کہ علامہ نے کبھی غالب کی طرح اشاعت کے لئے اپنے کلام کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ بلکہ جب ان کو اپنے اردو کلام کی اشاعت کا خیال آیا تو علامہ نے اپنے احباب سے کلام جمع کرکے بانگ درا کو مرتب کیا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک صاحب عبدالغفور صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس بہت نایاب ذخیرہ تھا۔ اس ذخیرہ سے علامہ کو بانگ درا کی ترتیب میں بڑی مدد ملی۔ مگر اس کے باوجود علامہ مرحوم کو اپنی بہت سی نظموں کا تو خیال بھی نہیں رہا تھا۔

جب سر عبدالقادر سنہ ۱۹۴۴ء میں حیدرآباد دکن تشریف لائے تو پھر اصرار کیا کہ میں اپنا مجموعہ جلد ایسی اپیل کے ساتھ شایع کردوں کہ جن اصحاب کے پاس علامہ کا دوسرا کلام محفوظ ہو وہ آئندہ اشاعت کے لئے ارسال کردیں۔ پھر جب کبھی صاحب موصوف کی خدمت میں لاہور حاضر ہونے کا موقع ملا تو انھوں نے ہمیشہ اس خواہش اشاعت کی بار بار تکرار کی میری خواہش یہ تھی کہ اس مجموعہ پر سر عبدالقادر ہی تقریظ تحریر فرمائیں۔ مگر میری یہ خواہش

پوری نہ ہوسکی۔ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

آج مرحوم کی آخری خواہش کے مطابق یہ مجموعہ عقیدتمندانِ اقبالؒ کی خدمت میں، پیش کیا جاتا ہے۔ میرے لئے تو حضرت اقبالؒ کے متعلق کوئی کام تصنیفاً تالیفاً یا ترتیب سرمایہ زندگی ہے۔

عشق شور انگیز را ہر جادۂ در کوئے تو برد
بر تلاشِ خود چہ مے نازد کہ رہ سوئے تو برد

میں کسی حد تک مجموعہ کی خامیوں سے واقف ہونے کے باعث ابتک اس کی اشاعت میں پس و پیش کرتا رہا ہوں اور شاید اب بھی پس و پیش کرتا مگر اب جبکہ اقبالؒ کے بے شمار شیدائیوں اور میرے کرم فرماؤں کے تقاضے حد سے بڑھنے لگے ہیں اور مزید برآں اس سلسلہ میں حبیب مجھے سر عبدالقادر مرحوم کے زبردست تقاضے کا خیال آتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اب اس مجموعہ کی اشاعت میں یہ تعویق قطعاً مناسب نہیں ہر نظم کے متعلق جو اس مجموعہ میں شامل ہے حتی الوسع تحقیقات کر لی گئی ہے کہ یہ نظم

علامہ مرحوم ہی کی ہے۔ پھر بھی اگر کسی صاحب کی رائے میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو از راہِ کرم راقم الحروف کو مطلع فرمائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس مجموعہ میں کچھ ایسے اشعار شائع ہو گئے ہوں جو علامہؒ کے مطبوعہ کلام میں موجود ہوں اور اپنے حافظہ کی غلطی سے میں نے اس مجموعہ میں بھی شامل کر لیا ہو۔ اگر ناظرین کرام نے میری مدد کی تو قوی امید ہے کہ یہ تمام خامیاں آئندہ اشاعت میں دور ہو جائیں گی۔ ناظرین کرام سے یہ بھی درخواست ہے کہ اگر ان کے علامہ مرحوم کا ایسا کلام ہو جو ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے تو اس کو براہِ کرم ارسال فرما دیں تاکہ آئندہ اشاعت کے وقت اس کو باقیاتِ اقبالؔ میں شامل کر لیا جائے میری دلی خواہش ہے کہ اس نوپردازِ اسرارِ ازل کا ہر لفظ جو بقول مولانا سلیمان ندوی گوشوارۂ حقیقت ہے آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کر لیا جائے۔ موجودہ مجموعہ کی ترتیب میں دو باب "متفرقات" اور "ظریفانہ" تو علیحدہ قائم کر دیئے گئے ہیں مگر دوسری نظموں کی ترتیب میں سوائے اس کے کہ یہ کوشش کی گئی ہے کہ نظموں کو تاریخ وار درج کیا جائے کوئی اصول ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے جن نظموں کے سالِ تصنیف کا تعین ممکن تھا اس کا بھی تذکرہ کر دیا گیا

ہے۔ الغرض راقم الحروف نے اس مجموعہ کو عقیدتمندانِ اقبالؒ کے لئے دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ اور اگر تائیدِ ایزدی شامل حال رہی تو یہ کوشش برابر جاری رہے گی۔ السعی منی والاتمام من اللہ

یکم جنوری ۱۹۵۲ء
نمبر ۱ کچہری روڈ کراچی

سید عبدالواحد
معتمد مجلس اقبال

کلامِ زمانۂ طالب علمی

مندرجہ ذیل رباعیاں اقبالؒ نے کشمیری کانفرنس کے مختلف اجلاس میں پڑھیں اور بعد میں کشمیری گزٹ یا کانفرنس کی رپورٹوں میں شایع ہوئیں۔ اکثر احباب کو یہ رباعیاں زبانی بھی یاد ہیں۔ لہٰذا ان کے کلام اقبالؒ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

سو تدابیر کی اے قوم یہ ہے اک تدبیر
چشمِ اغیار میں بڑھتی ہے اسی سے توقیر
درِ مطلب ہے اخوت کے صدف میں پنہاں
مل کے دنیا میں رہو مثلِ حروفِ کشمیر

کہکشاں میں آ کے اختر مل گئے
اس لڑی میں آ کے گوہر مل گئے
واہ وا کیا محفلِ احباب ہے
ہم وطن غربت میں آ کے ہم سے مل گئے

موتی عدن سے لعل ہوا ہے یمن سے دور
یا نافۂ غزال ہوا ہے ختن سے دور
ہندوستاں میں آئے ہیں کشمیر چھوڑ کر
بلبل نے آشیانہ بنایا چمن سے دور

سامنے ایسے گلستاں کے کبھی گر نکلے
جیب خجلت سے سرِ طور نہ باہر نکلے
ہے جو ہر لحظہ تجلی گہ مولائے جلیل
عرش و کشمیر کے اعداد برابر نکلے

پنجۂ ظلم و جہالت نے برا حال کیا
بن کے مقراض ہمیں بے پر و بال کیا
توڑ اس دستِ جفا کیش کو یا رب جس نے
روحِ آزادیٔ کشمیر کو پامال کیا

بت پرستی کو مرے پیش نظر لاتی ہے
یادِ ایامِ گذشتہ مجھے شرماتی ہے
ہے جو پیشانی پہ اسلام کا ٹیکا اقبال
کوئی پنڈت مجھے کہتا ہے تو شرم آتی ہے

ایک یتیم کا خطاب ہلالِ عید سے

علامہ مرحوم نے یہ نظم انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں پڑھی تھی۔ اس کے بعد بعض اخبارات میں شایع ہوئی۔ مگر میں کوشش کے باوجود اس نظم کے حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ یہ مرقومہ ذیل اشعار اور بند تیمناً درج کئے جاتے ہیں تاکہ پوری نظم کے حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رہ سکے۔

اک بہانہ ہلالِ عید کا ہے
قوم کو حالِ دل سناتے ہیں
کس مزے کی داستاں اپنی
قوم سنتی ہے ہم سناتے ہیں

ہلالِ عید

اے مہِ عید بے حجاب ہے، تو   حُسنِ خورشید کا جواب ہے، تو

اے گریبانِ جامۂ شبِ عید   شاہدِ عیش کا شباب ہے تو

اے نشانِ رکوعِ سورۂ نور   نقشۂ کلکِ انتخاب ہے تو

اے جوابِ خطِ رکوعِ نیاز   طاعتِ صوم کا ثواب ہے تو

ہائے اے حلقۂ پرِ طاؤس   قابلِ ذالک الکتاب ہے تو

چشمِ طفلی نے جب تجھے دیکھا   کہہ دیا خواب ہے کہ خواب ہے تو

طوفِ منزل گہہ زمیں کے لئے   ہمہ تن پائے در رکاب ہے تو

یہ اُبھرتے ہی آنکھ سے چھُپنا   روشنی کا مگر حباب ہے تو

تو کمندِ غزالِ شادی ہے

لذت افزائے شورِ طفلی ہے

دنیا

چمنِ خار خار ہے دنیا　　خونِ صد نو بہار ہے دنیا

ہے تمنا فزا ہوائے جہاں　　کیا شکستِ خمار ہے دنیا

جان لیتی ہے جستجو اس کی　　دولتِ زیرِ مار ہے دنیا

ہے نسیمِ جہاں خزاں پرور　　دیکھنے کو بہار ہے دنیا

زندگی نام رکھ دیا کس نے　　موت کا انتظار ہے دنیا

خون روتا ہے شوقِ منزل کا　　رہزنِ رہ گزار ہے دنیا

خندہ زن ہے فلک زدوں پہ جہاں　　چرخ کی راز دار ہے دنیا

ہیں جہاں کو غموں کے خار پسند
اس چمن کو نہیں بہار، پسند

مفلسی

ہاتھ اے مفلسی صفا ہے ترا
ہائے کیا تیر بے خطا ہے ترا

تیرہ روزی کا ہے تجھی پہ مدار
بد نصیبی کو آسرا ہے ترا

مایۂ صد شکست قیمت دل
دہر میں ایک سامنا ہے ترا

مسکراتا ہے تجھکو دیکھ کے زخم
یہ کوئی صورت آشنا ہے ترا

موت مانگے سے بھی نہیں آتی
درد کیا زندگی فزا ہے ترا

شورِ آواز چاک پیراہن
لب اظہار مدعا ہے ترا

التجا پر خموشئ منعم
ایک فقرہ جلا بھنا ہے ترا

ہے جو دل میں نہاں کہیں کیونکر
ہائے تیرے ستم سہیں کیونکر

شام

مصرِ ہستی میں شام آتی ہے — رنگ اپنا جمائے جاتی ہے

اے سبوئے مئے شفق، اے شام! — تو مئے بے خودی پلاتی ہے

سُرمۂ دیدۂ اُفق بن کر — چشمِ ہستی میں تو سماتی ہے

کِس خموشی سے اُڑ رہے ہیں طیور — تو رہِ آشیاں دکھاتی ہے

ریزشِ دانہ ہائے اختر کو — مزرعِ آسماں میں آتی ہے

تو پرِ طیرِ آشیاں رو کو — چشمِ صیاد سے چھپاتی ہے

صبح در آستیں ہے تو شاید — آنکھ اختر کی کھلتی جاتی ہے

تو پیامِ وفاتِ بیداری — محفلِ زندگی میں لاتی ہے

اپنے دامن میں بھر غنچۂ گُل — خواب لے کر چمن میں آتی ہے

خامشی زا ہے تیرا نظارہ،

آہ! یہ حسنِ انجمن آرا

فریادِ اُمّت

یہ نظم لاہور کے ایک ناشر نے مندرجہ ذیل شذرہ کے ساتھ شایع کی تھی۔

"وہ مقبول نظم جو جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔اے نے قریباً ۱۲ سال ہوئے انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں (تخیلاً با ستانۂ سرورِ کائنات علیہ موجودات) عاشقانہ فریاد کے رنگ میں (ابرِ گہربار کے عنوان سے) پڑھی تھی۔ ازاں بعد ۱۳۱۵ھ میں (باجازت مصنف) فریادِ امت کے نام سے چھاپ دی گئی۔

دل میں جو کچھ ہے نہ لب پر اسے لاؤں کیونکر
ہو چھپانے کی نہ جو بات چھپاؤں کیونکر
شوقِ نظارہ یہ کہتا ہے قیامت آ لے
پھر میں نالوں سے قیامت نہ اٹھاؤں کیونکر

میری ہستی نے رکھا مجھ سے تجھے پوشیدہ
پھر تری راہ میں اس کو نہ مٹاؤں کیونکر

صدمۂ ہجر میں کیا لطف ہے اللہ اللہ
یہ بھی اک ناز ہے تیرا نہ اٹھاؤں کیونکر

زندگی تجھ سے ہے اے نارِ محبت میری
اشکِ غم سے ترے شعلوں کو بجھاؤں کیونکر

تجھ میں سو نغمے ہیں اے تارِ ربابِ ہستی
زخمۂ عشق سے تجھ کو نہ بجاؤں کیونکر

ضبط کی تاب نہ یارائے خموشی مجھ کو
ہائے اس دردِ محبت کو چھپاؤں کیونکر

بات ہے راز کی پر منہ سے نکل جائے گی
یہ مئے کہنہ خمِ دل سے اچھل جائے گی

آسماں مجھ کو بجھا دے جو فروزاں ہوں میں

صورتِ شمع سرِ گورِ غریباں ہوں میں

ہوں وہ بیمار جو ہو فکر مداوا مجھ کو

دردِ چپکے سے یہ کہتا ہے کہ درماں ہوں میں

دیکھنا تو میری صورت پہ نہ جانا گلچیں

دیکھنے کو صفت نو گلِ خنداں ہوں میں

موت سمجھا ہوں مگر زندگیٔ فانی کو

نام آ جائے جو اس کا تو گریزاں ہوں میں

دور رہتا ہوں کسی بزم سے اور جیتا ہوں

یہ بھی جینا ہے کوئی جس سے پشیماں ہوں میں

کنجِ عزلت سے مجھے عشق نے کھینچا آخر

یہ وہی چیز ہے جس چیز پہ نازاں ہوں میں

داغ دل مہر کی صورت ہے نمایاں لیکن

ہے اسے شوق ابھی، اور نمایاں ہوں میں

ضبط کی جا کے سنا اور کسی کو ناصح

اشک بڑھ بڑھ کے یہ کہتا ہے کہ طوفاں ہوں میں

ہوں وہ مضمون کہ مشکل ہے سمجھنا میرا

کوئی مائل ہو سمجھنے پہ تو آساں ہوں میں

رند کہتا ہے ولی مجھکو۔ ولی رند مجھے

سن کے ان دونوں کی تقریر کو حیراں ہوں میں

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا

اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلماں ہوں، میں

کوئی کہتا ہے کہ اقبالؔ ہے صوفی مشرب

کوئی سمجھا ہے کہ شیدائے حسیناں ہوں میں۔

ہوں عیاں سب پہ مگر پھر بھی ہیں انہی باتیں
کیا غضب آئے نگاہوں سے جو پنہاں ہوں میں
دیکھ اے چشم عدو مجھ کو حقارت سے نہ دیکھ
جس پہ خالق کو بھی ہو ناز وہ انساں ہوں میں
مزرعۂ سوختۂ عشق ہے حاصل میرا
درد قربان ہو جس دل پہ وہ ہے دل میرا
قصہ دار و رسن بازیٔ طفلانۂ دل
التجائے ارنی سرخیٔ افسانۂ دل
یارب اس ساغرِ لبریز کی مے کیا ہو گی
جادۂ ملک بقا ہے خطِ پیمانۂ دل
ابر رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یارب
جل گئی مزرعۂ ہستی تو اُگا دانۂ دل

حُسن کا گنج گرانمایہ تجھے مل جاتا

تو نے فرہاد انہ کھودا کبھی ویرانہ دل

عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اس پر

کس کی منزل ہے الٰہی میرا کاشانہ دل

کچھ اسی کو ہے مزا دہر میں آزادی کا

جو قیدی ہی زنجیر پری خانۂ دل

اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سودا اپنا

دل کسی اور کا دیوانہ ۔ میں دیوانۂ دل

تو سمجھتا نہیں اے زاہد ناداں اس کو

رشک صد سجدہ ہے اک لغزش مستانۂ دل

ہائے کیا جانئے اس گھر کا مکیں کیسا ہو

ہوں جو منصور سے دربان درخانۂ دل

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
وہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانہ دل
عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے
برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے
آتی ہے اپنی سمجھ اور پہ مائل ہو کر
آنکھ کھل جاتی ہے انسان کی بے دل ہو کر
لوگ سودا کو یہ کہتے ہیں "برا ہوتا ہے"
عقل آئی مجھے پابند سلاسل ہو کر
آرزو کا کبھی رونا۔ کبھی اپنا ماتم
اس سے پوچھے کوئی کیا دل نے لیا دل ہو کر
میری ہستی ہی جو تھی میری نظر کا پردہ
اٹھ گیا بزم سے میں پردہ محفل ہو کر

عین ہستی ہوا ہستی کا فنا ہو جانا
حق دکھایا مجھے اس نقطہ نے باطل ہو کر

خلق معقول ہے محسوس ہے خالق اے دل
دیکھ۔ ناداں ذرا آپ سے غافل ہو کر

طور پر تو نے جو اے دیدۂ موسیٰ دیکھا
وہی کچھ قیس نے دیکھا پسِ محمل ہو کر

کیا کہوں بے خودیٔ شوق میں لذت کیا ہے
تو نے دیکھا نہیں زاہد کبھی غافل ہو کر

راہِ الفت میں رواں ہوں کبھی افتادہ ہوں
موج ہو کر۔ کبھی خاکِ لب ساحل ہو کر

دم خنجر میں دمِ ذبح سما جاتا ہوں
جوہرِ آئینۂ خنجرِ قاتل ہو کر

وہ مسافر ہوں ملے جب نہ پتہ منزل کا
خود بھی مٹ جاؤں نشانِ رہ منزل ہوکر

ہے فروغ دوجہاں داغِ محبت کی ضیا،
چاند یہ وہ ہے کہ گھٹتا نہیں کامل ہوکر

دیدۂ شوق کو دیدار نہ ہو کیا معنی
آئے محفل میں جو دیدار کے قابل ہوکر

عشق کا تیر قیامت تھا الٰہی توبہ
دل تڑپتا ہے مرا طائرِ بسمل ہوکر

مے عرفاں سے مرا کاسۂ دل بھر جائے
میں بھی نکلا ہوں تری راہ میں سائل ہوکر

"المدد سیّد مکّی مدنی العربی
دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

لاکھ ساماں ہے اک بے سر و ساماں ہونا
مجھ کو جمعیتِ خاطر ہے پریشاں ہونا

تیری اُلفت کی اگر ہو نہ حرارت دل میں
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

یہ شہادت گہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

دل جو برباد محبت ہوا آباد ہوا
سازِ تعمیر تھا اس قصر کو ویراں ہونا

علم و حکمت کے مدینے کی کشش ہے مجھ کو
لطف دے جاتا ہے کیا کیا مجھے ناداں ہونا

کبھی یثرب میں اویسِ قرنی سے چھپنا
کبھی برقِ نگہ موسیٰ عمراں ہونا

قاب قوسین بھی، دعویٰ بھی عبودیت کا
کبھی چلمن کو اُٹھانا، کبھی پنہاں ہونا

لطف دیتا ہے مجھے مٹ کے تری اُلفت میں
ہمہ تن شوق ہوا ہے عربستاں ہونا

یہی اسلام ہے میرا یہی ایماں ہے میرا
تیرے نظارۂ رخسار سے حیراں ہونا

خندۂ صبح تمنائے براہیم استی
چہرہ پرداز بتکدۂ میم استی

حشر میں ابرِ شفاعت کا گہربار آیا
دیکھ اے جنسِ عمل تیرا خریدار آیا

پیرہن عشق کا جب حسنِ ازل نے پہنا
بن کے بشر بیں وہ آپ اپنا خریدار آیا

میں گیا حشر میں جس دم تو صدا یوں آئی
دیکھنا دیکھنا وہ کافرِ دیندار آیا

لطف آنے کا تو جب ہے کہ کسی پر آئے
ورنہ دل اپنا بھی آنے کو تو سو بار آیا

جوشِ سودائے محبت میں گریباں اپنا
میں نے دیکھا تو نہ ہاتھوں میں کوئی تار آیا

عشق کی راہ میں اک سیر تھی ہر منزل پر
نجد کا دشت کہیں مصر کا بازار آیا

میں نے سو گلشنِ جنت کو کیا اس پہ نثار
دشتِ یثرب میں اگر زیرِ قدم خار آیا

لیں شفاعت نے قیامت میں بلائیں کیا کیا
عرقِ شرم میں ڈوبا جو گنہگار آیا

وہ مری شرم گنہ اور وہ سفارش تیری

ہائے اس پیار پہ کیا کیا نہ مجھے پیار آیا

ہے ترے عشق کا میخانہ عجب میخانہ

یعنی ہشیار گیا اور میں سرشار آیا

ما عرفنا نے چھپا رکھی ہے عظمت تیری

قاب قوسین سے کھلتی ہے حقیقت تیری

لے چلا بحر محبت کا طلاطم مجھ کو

کشتیٔ نوح ہے ہر موجۂ قلزم مجھ کو

حسن تیرا مری آنکھوں میں سمایا جب سے

تیر لگتی ہے شعاعِ مہ و انجم مجھ کو

تیرے قربان میں اے ساقیٔ میخانۂ عشق

میں نے اک جام کہا تو نے دیئے خُم مجھ کو

خاک ہو کر یہ ملا اوج تری اُلفت میں
کہ "فرشتوں نے کیا سجدۂ تعظیم مجھ کو
گرد آ آ سر دامن سے لگا پھرتا ہوں
حشر کے روز بھلا دے نہ کہیں تو مجھ کو
کوئی دیکھے تو ترے عاشق شیدا کا مزاج
حور سے کہتا ہے چھیڑا نہ کرو تم مجھ کو
موت آ جائے جو یثرب کے کسی کوچے میں
میں نہ اٹھوں جو مسیحا بھی کرے قُم مجھ کو
صفتِ نوکِ سرِ خارِ شبِ فرقت میں
چبھ رہی ہے نگہِ دیدۂ انجم مجھ کو
خوف رہتا ہے یہ ہر دم گذرِ رہِ یثرب میں
طور کی سمت نہ لے جائے توہم مجھ کو

تو نے آنکھوں کے اشارے سے جو تسکیں کر دی
شورِ محشر ہوا گلبانگِ ترنم ، مجھ کو

اپنا مطلب مجھے کہنا ہے مگر تیرے حضور
چھوڑ جائے نہ کہیں تابِ تکلم مجھ کو

ہے ابھی امتِ مرحوم کا رونا باقی
دیکھ لے بے خودیٔ شوق نہ کر گم مجھ کو

ہمہ حسرت ہوں سراپا غم بربادی ہوں
ستم دہر کا مارا ہوا فریادی ہوں

اے کہ تھا نوح کو طوفاں میں سہارا تیرا
اور ابراہیم کو آتش میں بھروسا تیرا

اے کہ مشعل تھا ترا ظلمتِ عالم میں وجود
اور نورِ نگہِ عرش تھا سایا تیرا

اے کہ پر تو ہے ترے ہاتھ کا مہتاب کا نور،
چاند بھی چاند بنا پا کے اشارہ تیرا

گرچہ پوشیدہ رہا حسن ترا پردوں میں
ہے عیاں معنیٔ لولاک سے پایا تیرا

ناز تھا حضرت موسیٰ کو یدِ بیضا پر
سو تجلی کا محل نقشِ کفِ پا تیرا

چشمِ ہستی صفتِ دیدۂ اعمیٰ ہوتی
دیدۂ کن میں اگر نور نہ ہوتا تیرا

کیا کہوں امتِ مرحوم کی حالت کیا ہے
جس سے برباد ہوئے ہم وہ مصیبت کیا ہے

حال امت کا برا ہو کہ بھلا کہتے ہیں
صفتِ آئینہ جو کچھ ہے صفا کہتے ہیں

واعظوں میں یہ تکبر کہ الٰہی توبہ
اپنی ہر بات کو آواز خدا کہتے ہیں
ان کے ہر کام میں دنیا طلبی کا سودا
ہاں مگر وعظ میں دنیا کو برا کہتے ہیں
غیر بھی ہو تو اسے چاہئے اچھا کہنا
پر غضب ہے کہ یہ اپنوں کو برا کہتے ہیں
فرقہ بندی کی ہوا تیرے گلستاں میں چلی
یہ وہ ناداں ہیں اسے باد صبا کہتے ہیں
آہ جب بات سے ہو فتنۂ محشر برپا
یہ وہ بندے ہیں اسے فتنہ رُبا کہتے ہیں
جن کی دینداری میں ہے آرزوئے زر پنہاں
آکے دھوکے میں اُنھیں راہ نما کہتے ہیں

لاکھ اقوام کو دنیا میں اجاڑا اس نے
یہ تعصب کو مگر گھر کا دیا کہتے ہیں

خانہ جنگی سمجھتے ہیں بنائے ایماں
مرض الموت ہے جو اس کو دوا کہتے ہیں

مقصد لحکمت لحمی پہ کھلی ان کی زباں
بے نوا اک راہ سے تجھ کو بھی بُرا کہتے ہیں

تیرے پیاروں کا جو یہ حال ہو اے شافعِ حشر
میرے حبیبوں کو تو کیا جانے کیا کہتے ہیں

بغض للہ کے پردے میں عداوت ذاتی
دین کی آڑ میں کیا کرتے ہیں کیا کہتے ہیں

جن کا یہ دین ہو کہ اپنے اپنوں سے کریں ترکِ سلام
ایسے بندوں کو یہ بندے "صُلحا" کہتے ہیں

قوم کے عشق میں ہو فکر کفن بھی نہ جسے

یہ اسے بندۂ بے دام ہوا کہتے ہیں

وصل ہو لیلیٔ مقصود سے کیونکر اپنا

اخترِ سوختۂ قیس ہے اختر اپنا

امرا جو ہیں وہ سنتے نہیں اپنا کہنا

سامنے تیرے کر پڑا ہے مجھے کیا کیا کہنا

ہم جو خاموش تھے اب تک تو ادب مانع تھا

ورنہ آتا تھا ہمیں خیر تمنا کہنا

دردمندوں کا کہیں حال چھپا رہتا ہے؟

اپنی خاموشی بھی تھی ایک طرح کا کہنا

شکوہ منت کشِ لب ہے کبھی منت کشِ چشم

میرا کہنا جو ہے رونا تو ہے رونا کہنا

قوم کو قوم بنا سکتے ہیں دولت والے
یہ اگر راہ پہ آ جائیں تو پھر کیا کہنا
بادۂ عیش میں سرمست رہا کرتے ہیں
یاد فرمان نہ تیرا نہ خدا کا کہنا
ہم نے سو بار کہا "قوم کی حالت ہے بری"
پر سمجھتے نہیں یہ لوگ ہمارا کہنا
دیکھتے ہیں یہ غریبوں کو تو برہم ہو کر
فقر تھا فخر ترا شاہ دو عالم ہو کر
اس مصیبت میں ہے اک تو ہی سہارا اپنا
تنگ آ کر لب فریاد ہوا وا اپنا
ایسی حالت میں بھی امید نہ ٹوٹی اپنی
نام لیوا ہیں ترے تجھ پہ ہے دعویٰ اپنا

فرقہ بندی سے کیا راہ نماؤں نے خراب
ہائے ان مالیوں نے باغ اُجاڑا اپنا
ہم نے سو راہ اخوت کی نکالی لیکن
نہ تو اپنا ہوا اپنا نہ پرایا اپنا
دیکھ اے نوح کی کشتی کے بچانے والے
آیا گرداب حوادث میں سفینا اپنا
اس مصیبت میں اگر تو بھی ہماری نہ سنے
اور ہم کس سے کہیں جا کے فسانہ اپنا
ہاں برس ابر کرم دیر نہیں ہے اچھی
کہ نہ ہونے کے برابر ہوا ہونا اپنا
لطف یہ ہے کہ پھلے قوم کی کھیتی اس سے
ورنہ ہونے کو تو آنسو بھی ہے دریا اپنا

اب جو ہے ابر مصیبت کا دھواں دھار آیا

ڈھونڈتا ہے تجھ کو دل شیدا اپنا

یوں تو پوشیدہ نہ تھی تجھ سے ہماری حالت

ہم نے گھبرا کے مگر تذکرہ چھیڑا اپنا

زندگی تجھ سے ہے اے فخر براہیم اپنی

گرد عاحق سے کہ مشکل ہوا جینا اپنا

ایک یہ بزم ہے لے دے کے ہماری باقی

ہے انھیں لوگوں کی ہمت پہ بھروسا اپنا

داستاں درد کی لمبی ہے کہیں کیا تجھ سے

ہے ضعیفوں کو سہارے کی تمنا تجھ سے

قوم کو جس سے شفا ہو وہ دوا کون سی ہے

یہ چمن جس سے ہرا ہو وہ صبا کون سی ہے

جس کی تاثیر سے ہو عزتِ دین و دنیا

ہائے اے شافعِ محشر وہ دُعا کون سی ہے

جس کی تاثیر سے یک جان ہو امت ساری

ہاں بتا دے ہمیں وہ طرزِ وفا کون سی ہے

جس کے ہر قطرہ میں تاثیر ہو یک رنگی کی

ہاں بتا دے وہ مئے ہوش رُبا کون سی ہے

قافلہ جس سے رواں ہو سوئے منزل اپنا

نافہ وہ کیا ہے۔ وہ آوازِ درا کون سی ہے

اپنی فریاد میں تاثیر نہیں ہے باقی

جس سے دل قوم کا پگھلے وہ صدا کونسی ہے

سب کو دولت کا بھروسہ ہو زمانے میں اگر

اپنی امید یہاں تیرے سوا کون سی ہے

اپنی کھیتی ہے اُجڑ جانے کو اے ابر کرم
تجھ کو جو کھینچ کے لائے وہ ہوا کون سی ہے

ہے نہاں جن کی گدائی میں امیری سب کی
آج دنیا میں وہ بزم فقرا کون سی ہے

تیرے قرباں کہ دکھا دی ہے یہ محفل تونے
میں نے پوچھا جو اخوت کی بنا کون سی ہے

راہ اس محفل رنگیں کی دکھا دے سب کو
اور اس بزم کا دیوانہ بنا دے سب کو

"نالۂ یتیم"

۱۸۹۹ء

یہ وہ درد انگیز نظم ہے جو علامہ مرحوم نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے پندرھویں سالانہ جلسہ میں پڑھی تھی۔

آہ کیا کہیئے کہ اب پہلو میں اپنا دل نہیں
بجھ گئی جب شمعِ روشن درخورِ محفل نہیں
اے مصافِ نظمِ ہستی میں ترے قابل نہیں
ناامیدی جس کو طے کر لے یہ وہ منزل نہیں
ہائے کس منہ سے شریکِ بزمِ میخانہ ہوں میں
ٹکڑے ٹکڑے جس کے ہو جائیں وہ پیمانہ ہوں میں

خارِ حسرت غیرتِ نوکِ سناں ہونے لگا
یوسفِ غم زینتِ بازارِ جاں ہونے لگا
دل مرا شرمندۂ ضبطِ فغاں ہونے لگا
نالۂ دل روشناسِ آسماں ہونے لگا

کیوں نہ وہ نغمہ سرائے رشکِ صد فریاد ہو
جو سرودِ عندلیبِ گلشنِ برباد ہو

پنجۂ وحشت بڑھا چاکِ گریباں کے لئے
اشکِ غم ڈھلنے لگے پابوسِ داماں کے لئے
مضطرب ہے یوں دلِ نالاں بیاباں کے لئے
جس طرح بلبل تڑپتا ہے گلستاں کے لئے

لیں گے ہم ہنگامۂ ہستی میں اب گھبرا کے کر
روئیے جا کر کسی صحرا میں تنہا بیٹھ کر

قابلِ عشرت دلِ خو کردہ حسرت نہیں
درخورِ بزم طرب شمعِ سرِ تربت نہیں

مدبرِ گردوں شاہد آرام کی صورت نہیں
غیرِ حسرت غازۂ رخسارۂ راحت نہیں

صبحِ عشرت بھی ہماری غیرتِ صد شام ہے
ہستی انساں غبارِ خاطرِ آرام ہے

ہے قیامِ بحرِ ہستی جزرو مدّ امیر کا
گاہے گاہے آنکلتی ہے مسرت کی ہوا

زندگی کو نورِ الفت سے ملی جب دم ضیا
بے کے طوفانِ ستم ابرِ تغیر آگیا

ہے کسی کو کام دل حاصل کوئی ناکام ہے
اس نظارہ کا مگر خاکِ لحد انجام ہے

اے فلک تجھ سے تمنائے سعادت پروری

ہر ستارہ ہے ترا داغِ دلِ نیک اختری

تو نے رکھا ہے کسے حرماں نصیبی سے بری؟

اے مسلمانان فغاں از دورِ چرخِ چنبری

دوستی از کس نمے بینیم یاراں را چہ شد

دوستی کو آخر آمد دوستداراں را چہ شد

نطق کر سکتا نہیں کیفیتِ غم کو عیاں

اس کی تیزی کو مٹا دیتے ہیں اندازِ بیاں

آ نہیں سکتی زباں تک رنج و غم کی داستاں

خندہ زن میرے لبِ گویا پہ ہے دردِ نہاں

عجزِ گویائی ہے گو حکمِ قیدِ خامشی

مجرمِ اظہارِ غم کو یہ سزا ملنے لگی

زخمِ دل کے واسطے ملتا نہیں مرہم مجھے
اپنی قسمت کا ہے رونا صورتِ آدم مجھے
ظلِّ دامانِ پدر کا ہے زبس ماتم مجھے
ہاں ڈبو دے اے محیطِ دیدۂ پُرنم مجھے
مضطرب اے دل نہ ہونا ذوقِ طفلی کے لئے
تو بنا ہے تلخیٔ اشکِ یتیمی کے لئے
سایۂ رحمت ہے تو اے ظلِ دامانِ پدر
غنچۂ طفلی پہ ہے مثلِ صبا تیرا گزر
رہنما ہے وادیٔ عالم میں تو مثلِ خضر
تو تو ہے اک مظہرِ شانِ کریمی سربسر
ہے شہنشاہی جو طفلی تو ہما تاثیر ہے
تو نہ ہو تو زندگی اک قیدِ بے زنجیر ہے

عین طفلی میں ہلالی آسا کمر خم کھا گئی
صبح پیری کی مگر بن کر یتیمی آ گئی
یاد ناکامی اسے کیا جانے کیا سمجھا گئی
شعلۂ سوز الم کو اور بھی بھڑکا گئی

دم کے بدلے میرے سینے میں دم شمشیر ہے
زندگی اپنی کتاب موت کی تفسیر ہے

جوشش صرصر سے ہے اے بحر جولانی تری
اور قمر کے دم سے ہے ساری یہ طغیانی تری
کرۂ دریا سے ہے قائم شان سلطانی تری
اور شعاع مہر سے ہے خندہ پیشانی تری

نظم عالم میں ہیں موجود ساز بے کسی
ہو گئی پھر کیوں یتیمی صید باز بے کسی

کھینچ سکتا ہے مصورِ خندۂ گُل کا سماں

اور کچھ مشکل نہیں اے برقِ تیری شوخیاں

صبح کا اختر ، نہیں کلکِ تصور پہ گراں

اور ہی کچھ ہیں مگر میرے تبسم کے نشاں

یہ تبسم اشکِ حسرت کا نمک پروردہ ہے

دردِ پنہاں کو چھپانے کے لئے اک پردہ ہے

یادِ ایامِ سلف تو نے مجھے تڑپا دیا

آہ چشمِ تصور تو نے کیا دکھلا دیا

اے فراقِ رفتگاں ۔ یہ تو نے کیا دکھلا دیا

دردِ پنہاں کی خلش کو اور بھی چمکا دیا

رہ گیا ہوں دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر

کچھ مداوا اس مرض کا اے دلِ ناکام کر

آئے بوئے نسیمِ گلشنِ رشکِ ارم
ہو نہ ممنون سماعت جس کی آوازِ قدم
لذتِ رقصِ شعاعِ آفتابِ صبح دم
یا صدائے نغمۂ مُرغِ سحر کا زیر و بم
رنگ کچھ شہرِ خموشاں میں جما سکتی نہیں
خفتگانِ کنجِ مرقد کو جگا سکتی نہیں
ہر گھڑی اے دل نہ یوں اشکوں کا دریا چاہئے
داستاں جیسی ہو ویسا سننے والا چاہئے
ہر کسی کے پاس یہ دُکھڑا نہ رونا چاہئے
آستاں اس کو یتیمِ ہاشمی کا چاہئے
چشمِ باطن کی نظر بھی کیا سبک رفتار ہے
سامنے اک دم میں درگاہِ شہِ ابرار ہے

اے مددگارِ غریباں اے پناہِ بے کساں

اے نصیرِ عاجزاں اے مایۂ بے مائیگاں

کارواں صبر و تحمل کا ہوا دل سے رواں

کہنے آیا ہوں میں اپنے درد و غم کی داستاں

ہے تری ذاتِ مبارک حلِّ مشکل کے لئے

نام ہے تیرا شفا دکھتے ہوئے دل کے لئے

بے کسوں میں تابِ جورِ آسماں ہوتی نہیں

ان دنوں میں طاقتِ ضبطِ فغاں ہوتی نہیں

کون وہ آفت ہے جو رہنِ بیاں ہوتی نہیں

اک یتیمی ہے کہ ممنونِ زباں ہوتی نہیں

میری صورت ہی کہانی ہے دلِ ناشاد کی

ہے خموشی بھی مری سائل تری امداد کی

بزم عالم میں طرازِ مسندِ عظمت ہے تو
بہرِ انساں جبرئیل آیۂ رحمت ہے تو
اے دیارِ علم و حکمت قبلۂ امت ہے تو
اے ضیائے چشم ایماں زیب ہر مدحت ہے تو
درد جو انساں کا تھا وہ تیرے پہلو سے اٹھا
قلزمِ جوشِ محبت تیرے آنسو سے اٹھا
آبِ کوثر تشنہ کامانِ محبت کا ہے تو
جس کے ہر قطرے میں سو موتی ہوں وہ دریا ہے تو
طور پر چشمِ کلیم اللہ کا تارا ہے تو
معنیٔ یاسیں ہے تو، مفہوم آئی ادنیٰ ہے تو
اس نے پہچانا نہ تیری ذات پر انوار کو
جو نہ سمجھا احمدِ بے میم کے اسرار کو

دلربائی میں مثالِ خندۂ مادر ہے تو
مثلِ آوازِ پدر شیریں تر از کوثر ہے تو
جس سے تاجِ عرش کو زینت ہو وہ گوہر ہے تو
از پئے تقدیرِ عالم صورتِ اختر ہے تو

زیبِ حسنِ محفلِ اشرافِ عالم تو ہوا
تھی مؤخر گرچہ آمد پر مقدم تو ہوا

تیرا رتبہ جوہرِ آئینۂ لولاک ہے
فیض سے تیرے رگِ تاکِ یقیں نمناک ہے
تیرے سایہ سے منور دیدۂ افلاک ہے
کیمیا کہتے ہیں جس کو تیرے در کی خاک ہے
تیرے نظارے کا موسیٰ میں کہاں مقدور ہے
تو ظہورِ لن ترانی گوئے اوجِ طور ہے

دوپہر کی آگ میں وقت درو دہقان پر
ہے پسینے سے نمایاں مہر تاباں کا اثر
جھلکیاں اُمید کی آتی ہیں چہرے پر نظر
کاٹ لیتا ہے مگر جب وقت محنت کا ثمر
یا محمدؐ کہہ کے اُٹھتا ہے وہ اپنے کام سے
ہائے کیا تسکیں اُسے ملتی ہے تیرے نام سے

وہ پناہِ دین حق وہ دامنِ غارِ حرا
جو ترے فیضِ قدم سے غیرت سینا ہوا
وہ حصارِ عافیت وہ سلسلہ فاران کا
جس کے ہر ذرہ سے اُٹھی دین کامل کی صدا
فخر پابوسی سے تیری آسماں سا ہو گئی
یہ زمیں ہم پایۂ عرشِ معلّیٰ ہو گئی

نظم قدرت میں نشاں پیدا نہیں بیداد کا

شکوہ کرنا کام ہوتا ہے دلِ ناشاد کا

آگرا ہوں تیرے در پر وقت ہے امداد کا

سرفرازی چاہیئے بدلہ مری افتاد کا

آ نہ سکتا تھا زباں تک بے کسی کا ماجرا

حوصلہ لیکن مجھے تیری یتیمی نے دیا

تھم ذرا بے تابیٔ دل کیا صدا آتی ہے یہ

لطفِ آبِ چشمۂ حیواں کو شرماتی ہے یہ

دل کو سوزِ عشق کی آتش سے گرماتی ہے یہ

روح کو یادِ الٰہی کی طرح بھاتی ہے یہ

ہاں ادب اے دل بڑھا اعزاز مشتِ خاک کا

میں مخاطب ہوں جنابِ سید لولاک کا

اے گرفتارِ یتیمی اے اسیرِ قیدِ غم

تجھ سے ہے آرامِ جانِ سیدِ خیرالامم

ناامیدی نے کئے ہیں تجھ پہ کچھ ایسے ستم

چھیڑتا ہے دل کو تیرا نالۂ دردو الم

تیری بے سامانیوں سے کیوں نہ میرا دل جلے

شرم سی آتی ہے تجھ کو بے نوا کہتے ہوئے

خرمنِ جاں کے لئے بجلی ترا افسانہ ہے

دل نہیں پہلو میں تیرے غم کا عشرت خانہ ہے

جس پہ بربادی ہو صدقے وہ ترا ویرانہ ہے

سہم جائے جس سے فرحت وہ ترا کاشانہ ہے

کانپتا ہے آسماں تیرے دلِ ناشاد سے

ہل گیا عرشِ معظم بھی تری فریاد سے

خون رلواتا ہے تیرا دیدۂ گریاں مجھے

کیوں نظر آتا ہے تو رہنِ غمِ پنہاں مجھے

کیوں نظر آتا ہے تیرا حالِ بے ساماں مجھے

کیوں نظر آتا ہے تو مثلِ تنِ بے جاں مجھے

میری امت کیا شریکِ دردِ پیغمبر نہیں

کیا جہاں میں عاشقانِ شافعِ محشر نہیں

جس طرح مجھ سے نبوت میں کوئی بڑھ کر نہیں

میری امت سے حمیت میں کوئی بڑھ کر نہیں

امتحان صدق و ہمت میں کوئی بڑھ کر نہیں

ان مسلمانوں سے غیرت میں کوئی بڑھ کر نہیں

یہ دل و جاں سے خدا کے نام پہ قربان ہیں

ہوں فرشتے بھی فدا جن پہ یہ وہ انسان ہیں

جا کے یوں کہنا کہ "اے گلہائے باغِ مصطفےٰ
تم سے برگشتہ نہ ہو جائے زمانے کی ہوا
عرصۂ ہستی میں از بہرِ حصولِ مدعا
رشکِ صد اکسیر ہوتی ہے یتیموں کی دعا
یہ وہ جادو ہے کہ جس سے دیوِ حرماں دور ہو
یہ وہ نسخہ ہے کہ جس سے دردِ عصیاں دور ہو
یہ دعا میدانِ محشر میں بڑی کام آئے گی
شاہدِ شانِ کریمی سے گلے ملوائے گی
آتشِ عشقِ الٰہی سے تمھیں گرمائے گی
جو نہ موسیٰ نے بھی دیکھا تھا تمھیں دکھلائے گی
جس طرح مجھکو شہیدِ کربلا سے پیار ہے
حق تعالیٰ کو یتیموں کی دُعا سے پیار ہے

جوش میں اپنی رگِ ہمت کو لانا چاہیئے
احمدی غیرت زمانے کو دکھانا چاہیئے
بندشِ غم سے یتیموں کو چھڑانا چاہیئے
مل کے اک دریا سخاوت کا بہانا چاہیئے
کام بے دولت تہِ چرخِ کہن چلتا نہیں
نخلِ مقصد غیرِ آبِ زر کہیں پھلتا نہیں
صیدِ شاہینِ یتیمی کا پھڑکنا اور ہے
نوکِ حس کی دل میں چبھتی ہوئی کانٹا اور ہے
علتِ حرماں نصیبی کا مداوا اور ہے
دردِ آزارِ مصیبت کا مسیحا اور ہے
پھونک دیتا ہے جگر کو دل کو تڑپاتا ہے یہ
نسخۂ مہر و محبت سے مگر جاتا ہے یہ

تھی یتیمی کچھ ازل سے آشنا اسلام کی
پہلے رکھی ہے یتیموں نے بنا اسلام کی

کہہ رہی ہے اہل دل سے ابتدا اسلام کی
ہے یتیموں پر عنایت انتہا اسلام کی

تم اگر سمجھو تو یہ سو بات کی اک بات ہے
آبرو میری یتیمی کی تمھارے ہات ہے

شکریۂ انگشتری

یہ نظم میں نے منشی سراج الدین صاحب کی بیاض سے لی ہے۔
نظم کے ساتھ حضرت علامہ کا گرامی نامہ بھی ہے۔ اور نظم اور گرامی نامہ
دونوں خود علامہ کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ ذیل میں نظم اور خط بجنسہٖ درج کیے جاتے ہیں۔

ڈیر سراج

دو تین روز سے طبیعت بسبب دورہ درد کے علیل ہے۔ یہ چند شعر
قلم برداشتہ آپ کے شکریہ میں ادا کرتا ہوں۔ میرا ارمغاں یہی ہے اسی کو قبول
کرکے مجھے مشکور کیجیے۔ چاہیں تو پیشانی پر چند ا دو سطور لکھ کر مخزن میں بھیج دیجیے۔ والسلام

آپ کا اقبال۔ از لاہور

سنہ ۱۹۰۲ء

آپ نے مجھ کو جو بھیجی ارمغاں انگشتری — دے رہی ہے مہرِ الفت کا نشاں انگشتری
زینتِ دستِ حنا مالیدۂ جاناں ہوئی — ہے مثالِ عاشقاں آتش بجاں انگشتری
نو ستارہ یا آیتے از سورۂ قرآنِ فیض — وقفِ مطلق اے سراجِ مہرباں انگشتری
میرے ہاتھوں سے اسے پہنے اگر وہ دلربا — ہو رموزِ دل کی ترجماں انگشتری
ہو نہ برق افگن کہیں اے طائرِ رنگِ حنا — تاکتی رہتی ہے تیرا آشیاں انگشتری
ساغرِ مے میں پڑا انگشتِ ساقی کا جو عکس — بن گئی گردابۂ آبِ رواں انگشتری
ہوں بہ تبدیلِ قوافی فارسی میں نغمہ خواں — ہند سے جاتی ہے سوئے اصفہاں انگشتری

یارم از کشمیر فرستاد دست چار انگشتری — چار در صورت بمعنی صد ہزار انگشتری
چار را گر صد ہزار آوردہ ام اینک دلیل — شد قبولِ دستِ یارم ہر چہار انگشتری
داغ داغ از موجِ بیناکاریش جوشِ بہار — می دہد چوں غنچۂ گل بوئے یار انگشتری
در لہانور[1] آمد و چشمِ تماشا شد تمام — بود در کشمیر چشمِ انتظار انگشتری

[1] لاہور کا دوسرا نام جس کو امیر خسروؒ قران السعدین میں استعمال فرماتے ہیں (اقبال)

یار را ساغر بکف انگشتری در دستِ یار
حلقه اش خمیازهٔ دستِ خمار انگشتری

ما اسیرِ حلقه اش او خود اسیرِ دستِ دوست
الله الله دام وصیادِ دو شکار انگشتری

خاتمِ دستِ سلیماں حلقه در گوشِ وے است
اے عجب انگشتری را جاں نثار انگشتری

وا چه بکشاید بدستِ آں نگارِ سیم تن
ماند گر زیں پیشتر سربسته کار انگشتری

من دلِ گم گشتهٔ خود را کجا جویم سراغ
دزدیٔ دزدِ حنا را پرده دار انگشتری

راز دارِ دزد هم دزد است در بازارِ حسن
چشمکِ دزدِ حنا را راز دار انگشتری

هر دو با هم ساختند و نقدِ دلها می برند
پخته مغز انگشتِ جاناں پخته کار انگشتری

نو بهارِ دلفریب انگشتری در دستِ یار
بوسه بر دستش زند لیل و نهار انگشتری

بو الهوس ز انگشتری طرزِ اطاعت یادگیر
می نهد سر بر خطِ فرمانِ یار انگشتری

ماهِ نو قالب تهی کرد است از حسرت بچرخ
جلوه فرما شد چو در انگشتِ یار انگشتری

ارمغانم سلکِ گوهر هاست یعنی ایں غزل
که سراجم نورها آمد چهار انگشتری

گشت اے اقبال مقبولِ امیرِ ملکِ حسن
کرد وا ما را گره آخر ز کار انگشتری

غزل

سنہ ۱۹۰۲ء

دل کی بستی عجیب بستی ہے
لوٹنے والے کو ترستی ہے

ہو قناعت جو زندگی کا اصول
تنگدستی فراخ دستی ہے

جنسِ دل ہے جہان میں کمیاب
پھر بھی یہ شے غضب کی سستی ہے

تابِ اظہارِ عشق نے لے لی
گفتگو کو زباں ترستی ہے

ذکرِ جامِ طہور وعظ کا وعظ
مے پرستی کی مے پرستی ہے

شعر بھی اک شراب ہے اے دل
ہوشیاری اسی کی مستی ہے

ہم فنا ہو کے بھی فنا نہ ہوئے
نیستی اک طرح کی ہستی ہے

آنکھ کو کیا نظر نہیں آتا
ابر کی طرح سے برستی ہے

دیکھئے کیا سلوک ہو اقبالؔ
مجرم جرمِ بُت پرستی ہے

(منقول از مخزن)

"ماتمِ پسر"

ہمارے ایک عنایت فرما رئیس بارہ مولا علاقہ کشمیر خواجہ صمد جو صاحب کلکٹر ہیں انھیں چند ماہ ہوئے اپنے چہیتے اور ہونہار بیٹے کی مرگ ناگہاں کا داغ دیکھنا نصیب ہوا خواجہ صاحب ذی علم اور علم دوست رئیس ہیں۔ اور خود زبان فارسی میں طباع شاعر ہیں۔ اور مقبل تخلص کرتے ہیں۔ مگر اس رنج نے ان کی طباعی اور زندہ دلی پر پانی پھیر دیا ہے اور انھیں تصویر غم بنا دیا ہے۔ شیخ محمد اقبال صاحب نے انکی طرف سے مرحوم کا نوحہ لکھا ہے جو درج ذیل ہے (مخزن ستمبر ۱۹۰۲ء)

اندھیرا صمد کا مکاں ہو گیا
وہ خورشید روشن نہاں ہو گیا

بیاباں ہماری سرا بن گئی
مسافر وطن کو رواں ہو گیا

گیا اُڑ کے وہ بلبلِ خوش نوا
چمن پائمالِ خزاں ہو گیا

نہیں باغ کشمیر میں وہ بہار
نظر سے جو وہ گُل نہاں ہو گیا

گیا کارواں اور میں راہ میں
غبارِ رہِ کارواں ہو گیا

گرا اٹک کے آنکھوں سے لختِ جگر — مرے صبر کا امتحاں ہو گیا

بڑھا اور اک دشمنِ جانستاں — دھواں آہ کا آسماں ہو گیا

ستم اس غضب کا خزاں نے کیا — بیاباں مرا بوستاں ہو گیا

ہوئی غم کی عادت کچھ ایسی مجھے — کہ غم مجھ کو آرامِ جاں ہو گیا

کسی نوجواں کی جدائی میں قد — جوانی میں مثلِ کماں ہو گیا

جدائی میں نالاں ہوں بلبل نہ کیوں — وہ گل زیبِ باغِ جناں ہو گیا

وہ سرخی ہے اشکِ شفق رنگ میں — حریفِ مئے ارغواں ہو گیا

بنایا تھا ڈر ڈر کے جو آشیاں — وہی نذرِ برقِ تپاں ہو گیا

کروں ضبط اے ہمنشیں کس طرح — کہ ہر اشک طوفاں فشاں ہو گیا

غضب ہے غلامِ حسن کا فراق — کہ جینا بھی مجھ کو گراں ہو گیا

دیا چُن کے وہ غم فلک نے اسے
کہ مقبل سراپا فغاں ہو گیا

"خطِ منظوم"

سنہ ۱۹۰۲ء

"پیغامِ بیعت کے جواب میں"

اس نظم کا کچھ حصہ "عقل و دل" کے نام سے بانگِ درا میں درج ہے۔ پوری نظم اربابِ ذوق کی دلچسپی کے لئے درج ذیل کی جاتی ہے۔

خضر سے چھپ کے مر رہا ہوں میں — تشنہ کامِ مے فنا ہوں میں

ہم کلامی ہے غیرت کی دلیل — خامشی پر مٹا ہوا ہوں میں

کانپ اٹھتا ہوں ذکرِ مرہم پر — وہ دلِ درد آشنا ہوں میں

تنکے چُن چُن کے باغِ الفت کے — آشیانہ بنا رہا ہوں میں

گلِ پژمردۂ چمن ہوں میں — رونقِ خانۂ صبا ہوں میں

کارواں سے نکل گیا آگے — مثلِ آوازۂ درا ہوں میں

دوست واعظ سے آج بن کے نماز ۔۔۔ کس ادا سے قضا ہوا ہوں میں

مجھ سے بیزار ہے دل زاہد ۔۔۔ دیدۂ حور کی حیا ہوں میں

ہے زباں مائل ترانۂ شوق ۔۔۔ سننے والے کو دیکھتا ہوں میں

میں نے مانا کہ بے عمل ہوں مگر ۔۔۔ رمز وحدت سے آشنا ہوں میں

پردۂ جسم میں رہے کوئی ۔۔۔ اس بھلاوے کو جانتا ہوں میں

سب کسی کا کرم ہے یہ ورنہ ۔۔۔ کیا مرا شوق اور کیا ہوں میں

میں کسی کو برا کہوں توبہ ۔۔۔ ساری دنیا سے خود برا ہوں میں

جام ٹوٹا ہوا ہوں میں لیکن ۔۔۔ مے حق سے بھرا ہوا ہوں میں

ایک دانے پہ ہے نظر تیری ۔۔۔ اور خرمن کو دیکھتا ہوں میں

تو جدائی پہ جان دیتا ہے ۔۔۔ وصل کی راہ سوچتا ہوں میں

بھائیوں میں بگاڑ ہو جس سے ۔۔۔ اس عبادت سے گو گیا سرا ہوں میں

بت پرستی تو ایک مذہب ہے ۔۔۔ کفر غفلت کو جانتا ہوں میں

مرگِ اغیار پر خوشی ہے تجھے — اور آنسو بہا رہا ہوں میں
میرے رونے پہ ہنس رہا ہے تو — تیرے ہنسنے کو رو رہا ہوں میں

عقل نے ایک دن یہ دل سے کہا — بھولے بھٹکوں کی رہنما ہوں میں
ہوں زمیں پر، گزر فلک پہ مرا — دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں
علم پلتا ہے میری گودی میں — رازِ ہستی سے آشنا ہوں میں
رہبری دہر میں ہے کام مرا — رشکِ خضر خجستہ پا ہوں میں
ہوں مفسر کتابِ ہستی کی — مظہرِ شانِ کبریا ہوں میں
تو مری ہمسری کرے توبہ — دیدۂ کور کی ضیا ہوں میں
بوند اک خون کی ہے تو لیکن — غیرتِ لعلِ بے بہا ہوں میں
دل نے سن کر کہا کہ سب سچ ہے — پر مجھے بھی تو دیکھ کیا ہوں میں
رازِ ہستی کو تو سمجھتی ہے — اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں

میرے دم سے جہان بستا ہے   اس اندھیرے میں چاندنا ہوں میں

ہے تجھے واسطہ مظاہر سے   اور باطن کو دیکھتا ہوں میں

علم تجھ سے تو معرفت مجھ سے   تو خدا جو ۔ خدا نما ہوں میں

علم کی انتہا ہے بے چینی   اس مرض کی مگر دوا ہوں میں

شمع تو محفلِ صداقت کی   حُسن کی بزم کا دیا ہوں میں

کس بلندی پہ ہے مقام مرا   عرش ربِ جلیل کا ہوں میں

گلشنِ طور میں بہار مری   قطرۂ بحر آشنا ہوں میں

تو ہے وابستۂ زمان و مکاں   اور اس قید سے رہا ہوں میں

ہائے یہ دل ہو میرے پہلو میں   تو یہ سمجھے کہ دھریا ہوں میں

اہلِ دل کو بگاڑ سے مطلب   سب بزرگوں کی خاک پا ہوں میں

فیضِ اقبالؔ ہے اسی در کا   بندۂ شاہ لافتا ہوں میں

آفتاب

سنہ ۱۹۰۲ء

شذرہ تمہیدی

یہ نظم بانگ درا میں موجود ہے لیکن اقبال کے شذرہ کے ساتھ اس نظم کو پڑھنے سے لطف اور دوبالا ہو جاتا ہے۔ یہ نظم مع شذرہ تمہیدی مخزن میں شایع ہوئی تھی۔

ذیل کے اشعار رگ وید کی ایک نہایت قدیم اور مشہور دعا کا ترجمہ ہیں۔ جس کو گایتری کہتے ہیں۔ یہ دعا اعتراف عبودیت کی صورت میں گویا ان تاثرات کا اظہار ہے جنھوں نے نظام عالم کے حیرت ناک مظاہر کے مشاہدہ سے اول اول انسان ضعیف البیان کے دل پر ہجوم کیا ہوگا۔ اس قسم کی قدیم تحریروں کا مطالعہ علم ملل و نحل کے عالموں کے لئے انتہا درجہ کا ضروری ہے کیونکہ ان کے روحانی نمو کی ابتدائی مراحل کا پتہ چلتا ہے۔ یہی وہ دعا ہے جو چاروں ویدوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے یادریں کی

برہمن اس قدر مقدس سمجھتا ہے کہ بے طہارت ہے اور کسی کے سامنے اس کو پڑھتا تک نہیں۔
جو لوگ محققین السنۂ شرقیہ کی تصانیف سے واقف ہیں ان کو معلوم ہے کہ مسٹر ولیم
جونس مرحوم کو اس دعا کے معلوم کرنے میں کس قدر تکلیف اور محنت برداشت
کرنی پڑی تھی۔ مغربی زبانوں میں اس کے بہت سے ترجمے کئے گئے ہیں لیکن
حق یہ ہے کہ زبان سنسکرت کی نحوی پیچیدگیوں کی وجہ سے السنۂ حال میں وضاحت
کے ساتھ اس کا مفہوم ادا کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس مقام پر یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری
معلوم ہوتا ہے کہ اصل سنسکرت میں لفظ "سوتر" استعمال کیا گیا ہے جس کے لئے اردو
لفظ نہ مل سکنے کے باعث ہم نے لفظ آفتاب رکھا ہے لیکن اصل میں اس لفظ سے
مراد معنی آفتاب کی ہے جو فوق المحسوسات ہے اور جس سے یہ مادی آفتاب کسب
سکتا ہے۔ اکثر قدیم قوموں نے اور نیز صوفیا نے اللہ تعالیٰ کی ہستی کو نور سے تعبیر
کیا ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے "اللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اور شیخ محی الدین
ابن عربی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ایک نور ہے جس سے تمام چیزیں نظر آتی ہیں۔

لیکن وہ خود نظر نہیں آتا۔ علیٰ ہذا القیاس افلاطون الٰہی کے مصری پیروؤں اور ایران کے قدیم انبیا کا بھی یہی مذہب تھا۔ ترجمہ کی مشکلات سے ہر شخص واقف ہے لیکن اس خاص صورت میں دقت اور بھی بڑھ گئی ہے کیونکہ اصل الفاظ کی آواز موسیقیت اور وہ طمانیت آمیز اثر جو ان کے پڑھنے سے دل پر ہوتا ہے اردو زبان میں منتقل نہیں ہو سکتا۔ گایتری کے مصنف نے ملک الشعرا ٹینی سن کی طرح اپنے اشعار میں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن میں حروف علت اور صحیح کی قدرتی ترتیب سے ایک لطیف موسیقیت پیدا ہو جاتی ہے جس کا غیر زبان میں منتقل کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ اس مجبوری کی وجہ سے میں نے اپنے ترجمہ کی بنیاد اس شوکت دگفتار زیبا پر رکھی ہے جس کو سوریا زائن اپنشد میں گایتری مذکور کی شرح کے طور پر لکھا گیا ہے۔ ترجمہ کرنے کو تو میں نے کر دیا ہے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ سنسکرت داں اصحاب اس پر وہی رائے قائم کریں گے جو چیپ مین نے پوپ کا ترجمہ ہومر پڑھ کر قائم کی تھی۔ یعنی شعر تو خاصے ہیں لیکن یہ گایتری

نہیں ہے۔

محمد اقبالؒ

اے آفتاب روح روانِ جہاں ہے تو — شیرازہ بندِ دفترِ کون و مکاں ہے تو
باعث ہے تو وجود و عدم کی نمود کا — ہے سبز تیرے دم سے چمن ہست و بود کا
قائم یہ عنصروں کا تماشا تجھی سے ہے — ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے
ہر شے کو تیری جلوہ گری سے ثبات ہے — تیری نگاہ رشتۂ تارِ حیات ہے
وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے — دل ہے خرد ہے روح رواں ہے شعور ہے
اے آفتاب ہم کو ضیائے شعور دے — چشمِ خرد کو اپنی تجلی سے نور دے
ہے محفلِ وجود کا ساماں طراز تو — *یزدانِ ساکنانِ نشیب و فراز تو
تیرا کمال ہستیِ ہر جاندار میں — تیری نمود سلسلۂ کوہسار میں

* یزدان کو قدیم حکمائے ایران اصل نور تصور کرتے ہیں۔ اس واسطے خالق کی جگہ یہ لفظ استعمال کیا گیا۔

ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو
زائیدگانِ نور کا ہے تاجدار تو
نہ ابتدا کوئی نہ کوئی انتہا تری
آزادِ قیدِ اول و آخر ضیا تری

:. یعنی دیوتا۔ سنسکرت میں لفظ دیوتا کے معنی زائیدہ نور کے ہیں یعنی ایسی ہستی جس کی پیدائش نور سے ہوئی ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ہندو دیوتاؤں کو دیگر مخلوقات کی طرح مخلوق تصور کرتے تھے ازلی نہیں سمجھتے تھے۔ غالباً ان کا مفہوم وہی ہو گا جس کو ہم لفظ فرشتہ سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ فرشتوں کا نور بھی نوری تسلیم کیا گیا ہے اگرچہ ان کو مخلوق مانا گیا ہے پس ہندو مذہب کو شرک کا مجرم گردانا میرے نزدیک صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

(اقبال)

غزل

(سنہ ۱۹۰۳ عیسوی)

چند روز ہوئے سیالکوٹ میں ایک تقریب تھی یعنی وہاں کے رئیس اعظم آغا محمد باقر خاں صاحب قزلباش کے فرزند ارجمند محمد ناصر کے ختنہ کے غسل صحت کی شادی منائی گئی تھی۔ وہاں شیخ محمد اقبال صاحب بھی مدعو تھے۔ کسی نے ایک مصرعہ طرح دیا۔ جس پر یہ غزل ہوئی۔ اور اس غزل کو انھوں اپنے دوست کے بیٹے کی اس تقریب سعید کا سہرا قرار دیا چنانچہ اس کی طرف مقطع میں اشارہ ہے۔ (مخزن)

لڑکپن کے ہیں دن صورت کسی کی بھولی بھولی ہے
زباں میٹھی ہے لب ہنستے ہیں پیاری پیاری بولی ہے
ترا اے سیل دریائے محبت منتظر ہوں کب تک
مری کشتی جو تھی آپ اپنے ہاتھوں سے ڈبو لی ہے

کوئی شوخی تو دیکھے جب ذرا رونا تھما میرا
کہا بے درد نے کیوں آپ نے مالا پرو لی ہے

جفا جو کہہ دیا میں نے مگر تم نے برا مانا
خفا کیوں ہو گئے یہ عاشقوں کی بولی ٹھولی ہے

شب فرقت تصور تھا مرا اعجاز تھا کیا تھا
تری تصویر کو میں نے بلایا ہے تو بولی ہے

وہ میری جستجو میں پھر رہے ہیں خیر ہو یارب
پتہ میرا بتانے کو قیامت ساتھ ہو لی ہے

تماشائی کوئی آئینہ ہستی میں ہے اپنا
مزا ہے حسن نے اے دل کتاب عشق کھولی ہے

سمجھ سکتا نہ تھا کوئی مجھے اس بزم ہستی میں
گرہ تھی زندگی میری اجل نے آکے کھولی ہے

جگت البشر ہے تو ہر آشنا کو پیشنہ تیری
صنم خانہ کی یا رب کیسی پیاری پیاری بولی ہے

ہمیں یاد وطن کیا پیش آتا ہے خدا جانے
بھلا تو کس لئے غربت زدوں کے ساتھ ہولی ہے

تغیر روز کا کچھ دید کے قابل نہ تھا نرگس
بتا پھر کس کے نظارے کو تو نے آنکھ کھولی ہے

تبسم، چاک جیب گل، ترنم، نالۂ بلبل
یہ بے جھروں کی باتیں ہیں یہ بے دردوں کی بولی ہے

مہ و خورشید و انجم دوڑتے ہیں ساتھ اس کے
فلک کیا ہے کسی معشوق بے پروا کی ڈولی ہے

یہ ہو گی شوخ اے صیاد مدت کی اسیری سے
نیا قیدی ہوں میں آواز میری بھولی بھولی ہے

لہو کی بوندیاں لالے کی کلیاں بن کے پھوٹی ہیں
مگر زیرِ زمیں کھیلی ترے کشتوں نے ہولی ہے

دیارِ عشق میں واماندگیٔ رفتار ہے اے دل
جسے کہتے ہیں خاموشی وہ اس بستی کی بولی ہے

گماں تجھ پر ہوا تھا کیا دلِ بلبل کی چوری کا
صبا نے غنچۂ گل! کیوں گرہ تیری ٹٹولی ہے

گلِ مضموں سے اقبالؔ یہ سہرا ہے ناصر کا
غزل میری نہیں ہے یہ کسی گلچیں کی جھولی ہے

عرض بہ جناب حضرت نظام الدین اولیاءؒ

یہ نظم علامہ مرحوم نے اس وقت لکھی تھی جب ان کے برادر محترم شیخ عطا محمد صاحب بدقسمتی سے ایک مصیبت میں مبتلا ہو گئے تھے علامہ نے یہ نظم لکھ کر کسی دوست کے ہمراہ دہلی درگاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ میں بھجوائی تھی۔ فضل ایزدی سے جلد شیخ صاحب مرحوم کو مصیبت سے رہائی ہوئی۔

کیوں نہ ہوں ارماں مرے دل میں کلیم اللہ کے
طور در آغوش ہیں ذرے تری درگاہ کے

میں تری درگاہ کی جانب جو نکلا لے اڑا
آسماں تارے بنا کر میری گرد راہ کے

ہے زیارت کی تمنا، المدد اے سوز عشق
پھونک ڈالے مجھ کو گلزار خلیل اللہ کے

شانِ محبوبی ہوئی ہے، پردہ دارِ شانِ عشق

واہ کیا رتبے ہیں اس سرکارِ عالی جاہ کے

تر جو تیرے آستانے کی تمنا میں ہوئی

اشک موتی بن گئے چشمِ تماشا خواہ کے

رنگ اس درگہ کے ہر ذرّے میں ہے توحید کا

طائرانِ بام بھی طائر ہیں بسم اللہ کے

چھپ کے ہے بیٹھا ہوا اثباتِ نفیِ غیر میں

لا کے دریا میں نہاں موتی ہیں الا اللہ کے

سنگِ اسود تھا مگر سنگِ نشانِ تیغِ عشق

زخم میرے گیا ہیں در و دالے بیت اللہ کے

عشق اس کو بھی تری درگاہ کی رفعت سے ہے

آہ! یہ انجم نہیں آنسو ہیں چشمِ ماہ کے

تیرے ناخن نے جو کھولی ہیم احمد کی گرہ
کھل گئے عقدے جہاں میں ہر خدا آگاہ کے
میرے جیسے بے نواؤں کا بھلا مذکور کیا
قیصر و فغفور ہیں درباں تری درگاہ کے
محوِ اظہارِ تمنائے دلِ ناکام ہوں
لاج رکھ لینا کہ میں اقبالؔ کا ہم نام ہوں
سہمی پھرتی ہے شفا میرے دلِ بیمار سے
اے مسیحا دم! بچا لے تجھ کو اس آزار سے
اے ضیائے چشمِ عرفاں، اے چراغِ راہِ عشق
تنگ آیا ہوں جفائے چرخِ ناہنجار سے
سینۂ پاکِ علی جن کا امانت دار تھا
اے شبرِ ذی جاہ! تو واقف ہے اُن اسرار سے

ہند کا داتا ہے تو تیرا بڑا دربار ہے
کچھ ملے مجھ کو بھی اس دربارِ گوہر بار سے

اک نظر میں خسرو ملکِ سخن خسرو ہوا
میں کہیں خالی نہ پھر جاؤں تری سرکار سے

تاک میں بیٹھی ہے بجلی میرے حاصل کے لئے
بیر ہے بادِ بہاری کو مرے گلزار سے

آجکل اصغر جو تھے اکبر ہیں اور مولا غلام
ہیں مجھے شکوے ہزاروں چرخِ کج رفتار سے

کیا کروں اوروں کا شکوہ، اے امیرِ ملکِ فقر!
دشمنی میں بڑھ گئے اہلِ وطن اغیار سے

کہہ رہے ہیں مجھ کو پر بستہ قفس میں دیکھ کر
اُڑ نہ جائے یہ کہیں پر کھول کر منقار سے

گریۂ شبنم پہ گُل ہنستے ہیں کیا بیدرد ہیں

وہ جو تھی بوئے محبت اُڑ گئی گلزار سے

گھات ہیں صیاد، مائل آشیاں سوزی پہ برق

باغ بھی بگڑا ہوا ہے عندلیبِ زار سے

کہہ دیا تنگ آ کے اتنا بھی کہ میں مجبور تھا

خامشی ممکن نہیں خود کردۂ گفتار سے

سخت ہے میری مصیبت سخت گھبرایا ہوں میں

بن کے فریادی تری سرکار میں آیا ہوں میں

کیمیا سے بھی فزوں ہے تیری خاکِ در مجھے

ہاں عطا کر دے مرے مقصد کا گوہر مجھے

تو ہے محبوبِ الٰہی کر دعا میرے لئے

یہ مصیبت ہے مثالِ فتنۂ محشر مجھے

ہو اگر یوسف ترا زحمت کش چاہ الم
چین آئے مصر آزادی میں پھر کیونکر مجھے
اُس بڑی سرکار کے قابل مری فریاد ہے
جل حضوری شہ یثرب کی تو لے کر مجھے
میرا کیا منھ ہے کہ اُس سرکار میں جاؤں مگر
تب بکر جب مل گیا تقدیر سے رہبر مجھے
واسطہ دیں گا اگر لخت دل زہراؑ کا میں
غم میں کیونکر چھوڑ دیں گے شافع محشر مجھے
رونے والا ہوں شہید کربلا کے غم میں میں
کیا درِ مقصد نہ دیں گے ساقیٔ کوثر مجھے
دل میں ہے مجھ بے کس کے داغِ عشقِ اہلبیت
ڈھونڈتا پھرتا ہے ظلِ دامنِ حیدر مجھے

جا ہی پہنچے گی صدا پنجاب سے دہلی تلک
کر دیا ہے گرچہ اِس غم نے بہت لاغر مجھے

آہ! تیرے سامنے آنے کے ناقابل ہوں میں
منھ چھپا کر مانگتا ہوں تجھ سے وہ سائل ہوں میں

دربار بھاول پور

(۱۹۰۳ء عیسوی)

زمانہ رواں میں چند روز سرزمین بھاول پور نے ایسے دیکھے ہیں جن پر وہ تادیر ناز کرے گی۔ رعایا بھاول کی مخلصانہ دعائیں کامیاب ہوئیں نخل تمنا ہرا ہوا اور شاخ آرزو پھل لائی یعنی حضور پرنور رکن الدولہ۔ نصرت جنگ۔ مخلص الدولہ حافظ الملک ہز ہائینس نواب محمد بھاول خاں پنجم عباسی کو ہز ایکسیلنسی وائسرائے

وگورنر جنرل بہادر کشور ہند نے خود اپنے ہاتھوں سے مسند سلطنت پر بٹھایا اور بنام اختیارات
ان کے ہاتھ میں دی۔ اس خوشی کی تقریب میں جو جشن ریاست میں منایا گیا وہ مدتوں
یادگار رہے گا۔ زمین بہاول پور ۱۲ نومبر کی شام کو کثرت چراغاں سے رشک
آسماں بن رہی تھی۔ اور سارا شہر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ایک سجی ہوئی دلہن،
ہجوم خلائق ایسا کہ معلوم ہو کہ آبادی گردو نواح میں کہیں باقی نہیں رہی سب
کھنچکر بہاول پور میں آگئی ہے رؤسائے عالی تبار اور راجگان ذی شان کے علاوہ
دیگر معزز مہمان جو ہر فرقہ اور ہر طبقے کے منتخب لوگوں میں تھے اور ملک کے ہر گوشے
سے آئے ہوئے تھے زینت تقریب کو دوبالا کر رہے تھے۔ انگریز حکام کی
بھی ایک معقول تعداد رونق بخش جلسہ تھی۔ اس مبارک تقریب پر شیخ محمد اقبال
صاحب ایم۔ اے سے ایک قصیدہ کہنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ اور انھیں مدعو بھی
کیا گیا تھا۔ مگر فرض منصبی سے رخصت نہ ملنے کی وجہ سے وہ جانے سے معذور رہے
اور قلت فرصت سے قصیدہ بھی بعد میں مکمل ہوا۔ اس لئے ہم اسے ان تاچیز

اوراق کے ذریعہ سے بندگان عالی تک پہنچاتے ہیں۔ صاحبان فن دیکھیں گے کہ قصیدہ کی زمین کس قدر مشکل تھی مگر اس میں کیسے کیسے شعر طبع خداداد کے زور سے شاعر نے نکالے ہیں۔ اور پرانے اور نئے رنگ کو کس خوبی سے ملایا ہے۔ چونکہ اب کے حصۂ نظم پہلے لکھا جا چکا ہے اور ادھر نثر میں چند صفحوں کی گنجائش ہے اور اس قصیدہ کا اسی مہینے میں شایع ہونا موزوں معلوم ہوتا ہے اس واسطے نثر کے حصے میں اس قصیدہ کو جگہ دیتے ہیں ۔

عبدالقادر

بزم تجسیم میں ہے گر چھوٹا سا اک اختر زمیں

آج رفعت میں ثریا سے بھی ہے اوپر زمیں

اوج سے بالا فلک سے مہر سے تنویر میں

کیا نصیبہ ہے ابھی ہر معرکہ میں در زمیں

انتہائے نور سے ہر ذرہ اختر خیز ہے
مہر و ماہ و مشتری صیغے ہیں اور مصدر زمیں

لیکے پیغام طرب ہر جاتی ہے سوئے آسماں
اب نہ ٹھہرے گی کبھی اطلس کے شانوں پر زمیں

شوق تک جانے کا ہے فیروزۂ گردوں کو بھی
مول لینی ہے لٹانے کے لئے گوہر زمیں

بس کہ گلشن ریز ہے ہر قطرۂ ابر بہار
ہے شگفتہ صورتِ طبع سخن گستر زمیں

برگ گل کی رگ میں ہے جنبش رگِ جاں کی طرح
ہے امین اعجاز عیسیٰ کی کہ افسوں گر زمیں

خاک پر کھینچیں جو نقشہ مرغِ بسم اللہ کا
قوت پرواز دے دے حرف قم کہہ کر زمیں

صاف آتا ہے نظر صحنِ چمن میں عکسِ گُل
بن گئی آپ اپنے آئینے کی روشن گر زمیں

اس قدر نظارہ پرور ہے کہ نرگس کے عوض
خاک سے کرتی ہے پیدا چشم اسکندر زمیں

امتحاں ہو اس کی وسعت کا جو مقصودِ چمن
خواب میں سبزے کے آئے آسماں بن کر زمیں

چاندنی کے پھول پر ہے ماہ کامل کا سماں
دن کو ہے اوڑھے ہوئے مہتاب کی چادر زمیں

آسماں کہتا ہے ظلمت کا جو ہو دامن میں داغ
دھوئے پانی چشمۂ خورشید سے لے کر زمیں

چومتی ہے دیکھنا جوشِ عقیدت کا کمال
پائے تختِ یادگارِ عصمتِ پیغمبر زمیں

زینتِ مسند ہوا عبّاسیوں کا آفتاب
ہو گئی آزاد احسانِ شہرِ خاور زمیں
یعنی نواب بہاول خاں کرے جس پر فدا
بحر موتی، آسماں انجم، زر و گوہر زمیں
جس کے بدخواہوں کی شمعِ آرزو کے واسطے
رکھتی ہے آغوش میں صد موجۂ صرصر زمیں
جس کی بزمِ مسند آرائی کے نظارے کو آج
دل کے آئینہ سے لائی دیدۂ جوہر زمیں
فیضِ نقشِ پا سے جس کے ہے وہ جاں بخشی کا ذوق
شمع سے لیتی ہے پروانے کی خاکستر زمیں
جس کی راہ آستاں کو حق نے وہ رتبہ دیا
کہکشاں اس کو سمجھتا ہے فلک محور زمیں

آستانہ جس کا ہے اس قوم کی امید گاہ

تھی کبھی جس قوم کے آگے جبیں گستر زمیں

جس کے فیضِ پا سے ہے شفاف مثلِ آئینہ

چشم اعدا میں چھپا کر خاک کا عنصر زمیں

جس کے ثانی کو نہ دیکھے مدتوں ڈھونڈے اگر

ہاتھ میں لے کر چراغ لالۂ احمر زمیں

وہ سراپا نور اک مطلع خطابِ تیرہ پڑھوں

جس کے ہر مصرع کو سمجھے مطلع خاور زمیں

اے کہ فیض نقشِ پا سے تیرے گل بر سر زمیں

اے کہ تیرے دم قدم سے خسرو خاور زمیں

اے کہ تیرے آستاں سے آسماں انجم بجیب

اے کہ ہے تیرے کرم سے معدن گوہر زمیں

لے کے آئی ہے برائے خطبۂ نامِ سعید
چوبِ نخلِ طور سے ترشا ہوا منبر زمیں

تیری رفعت ہے جو یہ حیرت میں ہے ڈوبا ہوا
جانتی ہے مہر کو اک ذرۂ ششدر زمیں

ہے سراپا طور عکسِ رائے روشن سے ترے
ورنہ تھی بے نور مثلِ دیدۂ عبہر زمیں

مایۂ نازش ہے اس خانداں کے واسطے
اب تلک رکھتی ہے جس کی داستاں ازبر زمیں

ہو ترا عہدِ مبارک صبحِ حکمت کی نمود
وہ چمک پائے کہ ہو محسودِ مہر اختر زمیں

سامنے آنکھوں کے پھر جائے سماں بغداد کا
ہند میں پیدا ہو پھر عباسیوں کی سرزمیں

محو کر دے عدل تیرا آسماں کی کجروی

کلیاتِ دہر کے حق میں بنے سطرِ زمیں

صلح ہو ایسی کہ مل جائیں ناقوس و اذاں

ساتھ مسجد کے رکھے بُت خانۂ آزر زمیں

نامِ شاہنشاہِ اکبر زندۂ جاوید ہے

ورنہ دامن میں لئے بیٹھی ہے سو قیصر زمیں

بادشاہوں کی عبادت ہے رعیت پروری

ہے اسی اخلاص کے سجدے سے قائم ہر زمیں

ہے مروّت کے صدف میں گوہرِ تسخیرِ دل

یہ گُہر وہ ہے کرے جس پر فدا کشور زمیں

حکمراں مستِ شرابِ عیش و عشرت ہو اگر

آسماں کی طرح ہوتی ہے ستم پرور زمیں

عدل ہو مالی اگر اس کا یہی فردوس ہے
ورنہ ہے مٹی کا ڈھیلا خاک کا پیکر زمیں
ہے گل و گلزار محنت کے عرق سے سلطنت
ہو نہ یہ پانی تو پھر سرسبز ہو کیونکر زمیں
چاہیے پھر دماغِ عاقبت اندیش کا
بے دری میں ہے مثالِ گنبدِ خضرا زمیں
لامکاں تک کیوں نہ جائے گی دعا اقبالؔ کی
عرش تک پہنچی ہے جس کے شعر کی اُڑ کر زمیں
خانداں تیلر رہے زیبندۂ تاج و سریر
جب تلک مثلِ قمر کھاتی رہے چکر زمیں
مسندِ احباب رفعت سے ثریا بوس ہو
خاک رخت خواب ہو اعدا کا اور بستر زمیں

تیرے دشمن کو اگر شوقِ گل و گلزار ہو
باغ میں سبزے کی جا پیدا کرے نشتر زمیں
ہو اگر پنہاں تری ہیبت سے ڈر کر زیرِ خاک
مانگ کر لائے شعاعِ مہر سے خنجر زمیں
پاک ہے گردِ غرض سے آئینہ اشعار کا
جو فلک رفعت میں ہو لایا ہوں وہ چُن کر زمیں
تھی تو پتھر ہی مگر مدحت سرا کے واسطے
ہو گئی ہے گل کی پتی سے بھی نازک تر زمیں

اہلِ درد

(سنہ ۱۹۰۳ عیسوی)

چند روز ہوئے اقبالؔ گرامیؔ اور بسملؔ تینوں حضرات ایک مجلس میں تشریف رکھتے تھے صاحب خانہ نے جو نوازش نام اور تخلص رکھتے تھے ایک مصرعہ بردیف "اہل درد" پڑھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اقبالؔ نے بیان کیا تھا کہ انھیں درد قولنج کی شکایت ہے اور اس وقت اس کے آغاز کے آثار معلوم ہوتے تھے۔ اس پر غزل گوئی کی فرمائش ہوئی۔ اور بحالت درد مندرجہ ذیل دو غزلیں اس زمین میں کہیں۔ مولوی عبداللہ صاحب بسملؔ ایک فارسی قطعہ تمہیداً ان کے ساتھ لکھ کر انھیں بغرض اشاعت بھیجتے ہیں۔

زندگی دنیا کی مرگِ ناگہانِ اہلِ درد

موت پیغامِ حیاتِ جاودانِ اہلِ درد

بند ہو کر اور کھلتی ہے زبان اہل درد

بولتا ہے مثل نے ہر استخوانِ اہل درد

آپ بائع آپ ہی نقد و متاع و مشتری

ساری دنیا سے نرالی ہے دکان اہل درد

اِس خموشی اور گویائی کے صدقے جائیے

محو شکر بے زبانی ہے زبان اہل درد

بیخودی میں یہ پہنچ جاتے ہیں اپنے آپ تک

اہل بیداری نہ ہو خواب گرانِ اہل درد

کہہ رہی ہے ہر کلی گلزار ابراہیم کی

آگ سے ہوتا ہے پیدا گلستانِ اہلِ درد

پالیا موسیٰ نے آخر بندۂ اللہ کو

درد والوں ہی کو ملتا ہے نشانِ اہلِ درد

ان کی دنیا بھی یہی عرشِ معلّیٰ بھی یہی

دل مکانِ اہلِ درد و لامکانِ اہلِ درد

ہائے کیا محشر پہ واعظ نے اُٹھا رکھی ہے بات

ہے اسی دنیا میں ہوتا امتحانِ اہلِ درد

درد ہی کے دم سے ہے ان دل جلوں کی زندگی

درد سے پیدا ہوئی روحِ روانِ اہلِ درد

یہ اُجڑ جانے کو آبادی سمجھتے ہیں مگر

ڈھونڈتا ہے راہزن کو کاروانِ اہلِ درد

از تجاہل ہم نے اے اقبال کہہ ڈالے یہ شعر

تھی نوازش کو جو فکرِ امتحانِ اہلِ درد

دیگر

صبر ایوب وفا خو جزوِ جانِ اہل درد
گریۂ آدم سرشتِ دودمانِ اہلِ درد

ہے سکوں ناآشنا طبعِ جہانِ اہلِ درد
جوں قمر سائر ہے قطبِ آسمانِ اہل درد

اوجِ یک مشتِ غبارِ آستانِ اہلِ درد
جوہرِ رفعت بلا گردانِ شانِ اہلِ درد

پھر رہے ہیں گلشنِ ہستی کے نظاروں میں مست
نکہتِ گُل ہے شرابِ ارغوانِ اہلِ درد

ابتدا میں شرحِ رمزِ آیۂ لاتقربا
کس قدر مشکل تھا پہلا امتحانِ اہلِ درد

ہم نشیں رونا ہمارا کچھ نیا رونا نہیں

تھی ہم آہنگ ندائے کن، فغانِ اہلِ درد

شورشِ محشر جسے واعظ نے ہے سمجھا ہوا

ہے وہ گلبانگِ درائے کاروانِ اہلِ درد

بت کدے کی سمت کیوں جاتا ہے یا رب برہمن

کعبۂ دل ہی تو ہے ہندوستانِ اہلِ درد

گرمیٔ جوشِ عقیدت سے کیا کرتی ہے طوف

کعبۂ برقِ بلا ہے آشیانِ اہلِ درد

ذبح ہونا کوچۂ الفت میں ہے انکی نماز

ہے صدا تکبیر کی گویا اذانِ اہلِ درد

دار پر چڑھنا نہ تھا معراج تھا منصور کو

تھی وہ سولی درحقیقت نردبانِ اہلِ درد

موجِ خونِ سرمدؔ و تبریزیؔ و منصورؔ سے

کس قدر رنگیں ہے یارب داستانِ اہلِ درد

تو نے اے انسانِ غافل آہ کچھ پروا نہ کی

بے زباں طائر سمجھتے تھے زبانِ اہلِ درد

دیدۂ سوزن سے بھی رکھتے ہیں یہ پنہاں اسے

کوئی کیا دیکھے گا زخمِ بے نشانِ اہلِ درد

دیکھنے والے سمجھتے تھے دمِ عیسیٰ جسے

تھی وہ اک موجِ نسیمِ بوستانِ اہلِ درد

پھرتے رہتے ہیں میانِ کوچۂ حبل الورید

ہے اسی آوارگی میں عز و شانِ اہلِ درد

کہہ دیا اقبالؔ اک مصرع نوازش نے جو آج

وہ بہانہ ہو گیا بہرِ بیانِ اہلِ درد

سپاس جناب امیرؑ

ذیل کی نظم درج کرکے آج ہم ان احباب کے تقاضوں سے سبکدوش ہوتے ہیں جو پروفیسر اقبالؔ صاحب کے فارسی کلام کے لئے اکثر دفعہ اشتیاق ظاہر کیا کرتے ہیں۔ فارسی نظمیں عموماً مخزن میں درج نہیں ہوتیں تاہم احباب کے اصرار سے ہم اسے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ یہی نظم باظہار عقیدت شیخ صاحب کے صبح کے وقت پڑھا کرتے ہیں ۔

اے محو ثنائے تو زبانہا ۔ اے یوسف کاروانِ جانہا

اے باب مدینۂ محبت ۔ اے نوحِ سفینۂ محبت

اے ماحیِ نقشِ باطلِ من ۔ اے فاتح خیبرِ دلِ من

اے سرّ خطِ وجوب و امکاں ۔ تفسیر تو سورہائے قرآں

اے مذہب عشق را نمازے ۔ اے سینۂ تو امین رازے

ای سرّ نبوّتِ محمدؐ   ای وصفِ تو مدحتِ محمدؐ

گردون که برفعت ایستادست   از بامِ بلندِ تو فتادست

هر ذرّه درگهت چو منصور   در جوشِ ترانه اناالطور

بی تو نتوان باو رسیدن   بی او نتوان بتو رسیدن

فردوس ز تو چمن در آغوش   از شانِ تو حیرت آئینه پوش

جانم بغلامیٔ تو خوشتر   سر بر زده ام ز جیبِ قنبر

هشیارم و مستِ بادهٔ تو   چون سایه ز پا فتادهٔ تو

از هوش شدم مگر بهوشم   گوئی که نصیریِ خموشم

دانم که ادب بضبط رازست   در پردهٔ خامشی نیازست

اما چه کنم مئے تولّا   تند است برون فتد زمینا

ز اندیشهٔ عاقبت رهیدم

جنسِ غمِ آلِ تو خریدم

فکرم چو بہ جستجو قدم زد — در دیر شد و در حرم زد

در دشتِ طلب بسے دویدم — دامان چو گردباد چیدم

در آبلہ خارہا خلیدہ — صد لالہ تہِ قدم دمیدہ

افتادہ گرہ بروے کارم — شرمندۂ دامنِ غبارم

پویان پئے خضر سوے منزل — بر دوشِ خیال بستہ محمل

چو بادۂ مے و شکستہ جامے — چون صبح بباد چیدہ دامے

پیچیدہ بخود چو موجِ دریا — آوارہ چو گردبادِ صحرا

واماندہ ز دردِ نارسیدن — در آبلہ شکستہ دامن

عشق تو دلم ربود ناگاہ — از کار گرہ کشود ناگاہ

آگاہ ز ہستی و عدم ساخت — بت خانۂ عقل را حرم ساخت

چون برقِ بخرمنم گزر کرد — از لذتِ سوختن خبر کرد

برباد متاعِ ہستیم داد — جامے ز مے حقیقتم داد

سرمست شدم ز پا فتادم — چوں عکس ز خود جدا فتادم
پیراہنِ ہاو من دریدم — چوں اشک ز چشم خود چکیدم
خاکم بفرازِ عرش بُردی — زاں راز کہ با دلم سپردی
واصل بکنار گشتنیم شد — طوفانِ جمالِ زشتیم شد
جز عشق حکایتے ندارم — پروائے ملامتے ندارم

از جلوۂ عام بے نیازم
سوزم۔ گریم۔ تپم گدازم

منقول از مخزن

جنوری سنہ ۱۹۰۵ عیسوی

مدینے کے کبوتر کی یاد

یہ نظم کلیاتِ اقبال میں ہے۔ اور محمد ذکی صاحب ابن شمس العلما مولانا میر حسن نے بھی ایک بار اس کا ذکر کیا تھا۔

رحمت ہو تیری جان پہ اے مرغِ نامہ بر
آیا تھا اُڑ کے ذروۂ بامِ حرم سے تو

پروازِ جبرئیل تھی تیری اُڑان میں
کرتا نہ کیوں حدوث کو پیدا قدم سے تو

زمزم میں تر ہوئی تیری منقار نغمہ ریز
کرتا رہا عرب کو نمایاں عجم سے تو

جاں کو بسا دیا تھا شمیمِ حجاز میں
لایا تھا تار توڑ کے زلفِ صنم سے تو

ہم کو دیا پیام الف، لام میم کا
نا آشنا نہ تھا رہ و رسمِ الم سے تو

نفرت ہی آشیانہ ہستی سے تھی تو کیوں
آیا اتر کے طارم کاخِ عدم سے تو

تجھ پر ابو ہریرہ رضؓ بھی قربان ہوں کہ تھا
وابستگانِ دامنِ فخر الامم سے تو

نا یدا نفس کی راہ میں تو ہو گیا نثار
گر بچ سکا گربہ کی مشقِ ستم سے تو

قطعہ

موت کی ظلمت میں ہے پنہاں شرابِ زندگی
مر گیا ہوں یوں تو میں لیکن فنا کیونکر ہوا
یوں تو مرتے ہو ہنسی ٹھٹھے پہ اے اقبالؔ تم
دل تمہارا اس قدر درد آشنا کیونکر ہوا

(۱۹۰۳ء)

نعت

نگاہِ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر
وہ بزمِ یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

جو تیرے کوچہ کے ساکنوں کا فضائے جنت میں دل نہ بہلا

تسلیاں دے رہی ہیں حوریں خوشامدوں سے منامنا کر

بہار جنت کو کھینچتا تھا ہمیں مدینہ سے آج رضواں

ہزار مشکل سے اس کو ٹالا بڑے بہانے بنا بنا کر

لحد میں سوئے ہیں تیرے شیدا تو حور جنت کو اس میں کیا ہے

کہ شور محشر کو بھیجتی ہے خبر نہیں کیا سکھا سکھا کر

تری جدائی میں خاک ہونا اثر دکھاتا ہے کیمیا کا

دیار یثرب میں آ ہی پہنچے صبا کی موجوں میں مل ملا کر

شہیدِ عشقِ نبی کے مرنے میں بانکپن بھی ہیں سو طرح کے

اجل بھی کہتی ہے زندہ باشی ہمارے مرنے پہ سر کھا کر

رکھی ہوئی کام آ ہی جاتی ہے جنس عصیاں عجیب شے ہے

کوئی اسے پوچھتا پھرے ہے در شفاعت دکھا دکھا کر

ترے ثنا کہ عروسِ رحمت سے چھیڑ کرتے ہیں روزِ محشر
کہ اس کو پیچھے لگا لیا ہے گناہ اپنے دکھا دکھا کر

کرے کوئی کیا کہ تاڑ لیتی ہے لاکھ پردوں میں بھی شفاعت
رکھے ہم نے گناہ اپنے ترے غضب سے چھپا چھپا کر

بتائے دیتے ہیں اے صبا ہم یہ گلستانِ عرب کی بو ہے
کرنہ اب ہاتھ ٹالا دہر کو وہیں سے لائی ہے تو اڑا کر

تری جدائی میں مرنے والے فنا کے تیروں سے بے خطر ہیں
اجل کی ہم نے ہنسی اڑائی اسے بھی مارا تھکا تھکا کر

ہنسی بھی کچھ کچھ نکل رہی تھی مجھے بھی محشر میں تاکتی ہے
کہیں شفاعت نہ لے گئی ہو مری کتابِ عمل اٹھا کر

اُڑا کے لائی ہے اے صبا تو جو زلفِ عنبر بیں کو
ہمیں سی اچھی نہیں یہ باتیں خدا کی رہ میں بھی کچھ دیا کر

یہ پردہ داری تو پردہ در ہے مگر شفاعت کا آسرا ہے

دبک کے محشر میں بیٹھ جاتا ہوں دامنِ تر میں منہ چھپا کر

شہیدِ عشقِ نبی ہوں میری لحد پہ شمعِ قمر جلے گی

اٹھا کے لائیں گے خود فرشتے چراغِ خورشید سے جلا کر

جسے محبت کا درد کہتے ہیں مایۂ زندگی ہے مجھ کو

یہ درد وہ ہے کہ میں نے رکھا ہے دل میں اس کو چھپا چھپا کر

خیالِ راہِ عدم سے اقبالؔ تیرے در پر ہوا ہے حاضر

بغل میں زادِ عمل نہیں ہے صلہ مری نعت کا عطا کر

ترجمہ از ڈاک

دل شمع صفت عشق سے ہو نور سراپا

اور فکر یہ روشن ہو کہ آئینہ ہو گویا

نیکی ہو ہر اک فعل میں نیّت میں ہویدا
ہر حال میں خالقِ ہستی پہ بھروسا
ایسی کوئی نعمت تہِ افلاک نہیں ہے
یہ بات جو حاصل ہو تو کچھ باک نہیں ہے

۱۹۰۴ء

غزل

عاشق دیدار محشر کا تمنائی ہوا — وہ سمجھتے ہیں کہ جرم ناشکیبائی ہوا
غیر سے غافل ہوا ہیں اے نمودِ حسنِ یار — عرصۂ محشر میں پیدا کنج تنہائی ہوا
میری بینائی ہی شاید مانع دیدار تھی — بند جب آنکھیں ہوئیں تیرا تماشائی ہوا
ہائے میری بدنصیبی وائے ناکامی مری — پاؤں جب ٹوٹے تو شوقِ دشت پیمائی ہوا

ہیں تو اہم عاشق کے ذوق جستجو پر مرمٹا ۔ ۔ ۔ ماعرِ فنا کہ کے جو تیرا تمنائی ہوا

تجھ میں کیا اے وہ انداز معشوقانہ تھا ۔ ۔ ۔ حُسن خود لولاک کہہ کر تیرا شیدائی ہوا

دیکھنا داں امتیاز شمع و پروانہ نہ کر ۔ ۔ ۔ حُسن بن کر عشق اپنا آپ سودائی ہوا

اب مری شہرت کی سوجھی ہے انھیں دیکھے کوئی
پس گئے میں جس دم غبار کوئے رسوائی ہوا

غزل

محبت کو دولت بڑی جانتے ہیں ۔ ۔ ۔ اسے مایۂ زندگی جانتے ہیں

نرالے ہیں انداز دنیا سے اپنے ۔ ۔ ۔ کہ تقلید کو خودکشی جانتے ہیں

کوئی قید سمجھے مگر ہم تو اے دل ۔ ۔ ۔ محبت کو آزادگی جانتے ہیں

حسینوں میں ہیں کچھ وہی ہوش والے ۔ ۔ ۔ کہ جو حسن کو عارضی جانتے ہیں

جو ہے گلشنِ طور اے دل تجھے ہم ۔ ۔ ۔ اسی باغ کی اک کلی جانتے ہیں

غزل

چاہیں اگر تو اپنا کرشمہ دکھائیں ہم
بن کر خیالِ غیر ترے دل میں آئیں ہم

اچھی کہی شکایت جور و جفا کی بھی
اتنی سی بات کے لئے محشر میں جائیں ہم

اے صدمۂ فراق نہ کر ہم سے چھیڑ چھاڑ
تو کس کا ناز ہے کہ تجھے بھی اٹھائیں ہم

پوچھیں گے آج مسُر دنبالہ دار سے
کس طرح سے کسی کی نظر میں سمائیں ہم

ہر چیز منع تو ہے ہمیں اے طبیبِ عشق
لیکن بڑھے جو ضعف تو غش بھی نہ کھائیں ہم

قطعہ

یہ اشعار علامہ مرحوم نے نازلی بیگم صاحبہ جنجیرہ کے البم میں بیگم صاحبہ کی درخواست پر تحریر فرمائے تھے۔ علامہ کے جو خطوط بیگم کے نام شایع ہوئے ہیں ان میں یہ اشعار علامہ کے قلم سے لکھے ہوئے موجود ہیں۔

اے کہ تیرے آستانے پر جبیں گستر قمر — اور فیضِ آستاں بوسی سے گل بر سر قمر
روشنی لے کر تری موجِ غبارہ سے — دیتا ہے لیلائے شب کو نور کی چادر قمر
کاروانِ قوم کو ہے تجھ سے زینت اس طرح — جس طرح گردوں پہ ہے صدرِ محفلِ اختر قمر

شمعِ بزمِ اہلِ ملت را چراغِ طور کن
یعنی ظلمت خانۂ ما را سراپا نور کن

(۹ رجون سنہ ۱۹۰۶ء۔ لندن)

غزل

یہ غزل علامہ مرحوم نے کیمبرج سے لکھ کر عطیہ بیگم صاحبہ کو لندن میں بھیجی تھی اور جو مجموعہ علامہ کے خطوط کا شایع کیا ہے اس میں یہ غزل ہے۔

اے گل ز خار آرزو آزاد چوں رسیدۂ — تو ہم ز خاکِ ایں چمن مانندِ ما دمیدۂ

اے شبنم از فضائے گل آخر ستم چہ دیدۂ — دامن ز سبزہ چیدۂ تا بہ فلک رسیدۂ

با من مگو کہ مثلِ گل ہمراہ شاخ بستہ باش — مانندِ موجِ بو مرا آوارہ آفریدۂ

از نوحِ خویش باز پرس قصۂ جرم ہائے ما — آخر جواب نا سزا از لبِ ما شنیدۂ

ہنگامہ دیر یک طرف، شورش کعبہ یک طرف — از آفرینشِ جہاں دردِ سرے خریدۂ

ہستیم ما گدائے تو یا تو گدائے ما ستی — بہر نیاز سجدۂ در پیش ما دویدۂ

افتد اگر بدستِ ما حلقہ بگردِ تو کشیم — ہنگامہ گرم کردۂ خود از میاں رمیدۂ

اقبال غربت تو ام نشتر بہ دل ہمی زند — تو در ہجوم عالمے یک آشنا نہ دیدۂ

غزل

ہے کلیجا فگار ہونے کو دامن لالہ زار ہونے کو

عشق وہ چیز ہے کہ جس میں قرار چاہئے بے قرار ہونے کو

جستجوئے قفس ہے میرے لئے خوب سمجھے شکار ہونے کو

پیس ڈالا ہے آسماں نے مجھے کس کی رہ کا غبار ہونے کو

کیا ادا تھی وہ جاں نثاری میں تھے وہ مجھ پر نثار ہونے کو

زخم اور سوزنِ رفو توبہ کھل گیا بستہ کار ہونے کو

وعدہ کرتے ہوئے نہ رک جاؤ ہے مجھے اعتبار ہونے کو

اس نے پوچھا کہ کون چھپتا ہے ہم چھپے آشکار ہونے کو

ہم نے اقبال عشق بازی کی
پی کے مے ہوشیار ہونے کو

حیدرآباد دکن

طلوعِ سحر

ہو رہی ہے زیرِ دامانِ افق سے آشکار — صبح یعنی دخترِ دوشیزۂ لیل و نہار

پا چکا فرصت درودِ فصلِ انجم سے سپہر — کشتِ خاور میں ہوا ہے آفتاب آئینہ کار

آسماں نے آمدِ خورشید کی پا کر خبر — محملِ پروازِ شب باندھا سرِ دوشِ غبار

شعلۂ خورشید گو حاصل اس کھیتی کا ہے — بوئے تھے دہقانِ گردوں نے جو تاروں کے شرار

ہے رواں نجمِ سحر، جیسے عبادت خانے سے — سب سے پیچھے جائے کوئی عابدِ شب زندہ دار

کیا سماں ہے جس طرح آہستہ آہستہ کوئی — کھینچتا ہو میان کی ظلمت سے تیغِ آبدار

مطلعِ خورشید میں مضمر ہے یوں مضمونِ صبح — جیسے خلوت گاہِ مینا میں شرابِ خوشگوار

ہے تہِ دامانِ بادِ اختلاط انگیزِ صبح — شورشِ ناقوس آوازِ اذاں سے ہمکنار

جاگے کوئل کی اذاں سے طائرانِ نغمہ سنج ہے ترنم ریز قانونِ سحر کا تار تار

گرچہ قدرت نے مجھے افسردہ دل پیدا کیا آنکھ وہ بخشی کہ ہے نظارہ آشامِ بہار

کھینچ کر سوئے گلستاں لے گیا ذوقِ نظر عاشقِ فطرت کو ہے صحنِ گلستاں کوئے یار

گل نے بلبل سے کہا اے ہم صفیر آ باز آ کہتی تھی بلبل کہ اے مقصودِ چشمِ انتظار

اتنے دن غائب رہا تو گلشنِ پنجاب سے کر لیا تھا کیا کسی صیاد نے تجھ کو شکار

کس سے کہتے راز اپنا لالہ ہائے شعلہ پوش کس پہ کرتے دردِ دل اپنا عنادل آشکار

پوچھتی تھی روز مجھ سے نرگسِ شبنم فریب ہو گیا غائب کہاں اپنے چمن کا رازدار

پھول فرقت میں تری سوزن بہ پیراہن رہے دیدۂ قمری میں تھا صحنِ گلستاں خار زار

غنچۂ نوخیز کو یہ کہہ کے بہلاتی تھی میں ہے یہیں پوشیدہ وہ وارفتۂ فصلِ بہار

کچھ تو کہہ ہم سے بھی اس وارفتگی کا ماجرا لے گیا تجھ کو کہاں تیرا دلِ بے اختیار

کس تجلی گاہ نے کھینچا ترا دامانِ دل

تیری مشتِ خاک نے کس دیس میں پایا قرار

کیا کہوں اس بوستان غیرت فردوس کی — جس کے پھولوں میں ہوا اے ہم نوا میرا گذار

جس کے ذرے مہر عالمتاب گو سامانِ نور — جس کی طور افروزیوں پر دیدۂ موسیٰ نثار

خطۂ جنت، فضا جس کی ہے فرح انگیزِ دل — عظمت دیرینۂ ہندوستاں کی یادگار

جس نے اسمِ اعظمِ محبوب کی تاثیر سے — وسعتِ عالم میں پایا صورتِ گردوں وقار

نور کے ذروں سے قدرت نے بنائی یہ زمیں
زُبنہ ٹپکے دکن کی خاک اگر پائے فشار

آستانے پر وزارت کے ہوا میرا گزر — بڑھ گیا جس سے مرا ملکِ سخن میں اعتبار

اس قدر حق نے بنایا اس کو عالی مرتبت — آسماں اس آستانے کی ہے اک موجِ غبار

کی وزیر و شاہ نے وہ عزت افزائی مری — چرخ کے انجم مری رفعت پہ ہوتے تھے نثار

مسند آرائے وزارت راجہ کیواں حشم — روشن اس کی رائے روشن سے نگاہِ روزگار

اس کی تقریروں سے رنگیں گلستانِ شاعری — اس کی تحریروں پہ نظمِ مملکت کا انحصار

لیلیٰ معنی کا محمل اس کی نثر دلپذیر — نظم اس کی شاہدِ ناز ادا کی پردہ دار

اس کی فیضِ پا کی منت خواہ کانِ لعل خیز
بحر گوہر آفریں دست کرم سے شرمسار

سلسلہ اس کی مروت کا یونہی لا انتہا
جس طرح ساحل سے عاری بحرِ ناپیدا کنار

دلربا اس کا تکلم، خلق اس کا عطرِ گل
غنچۂ گل کے لئے موجِ نفس بادِ بہار

ہو خطا کا ڈر ایسے مدبر کو کہاں
جس کی ہر تدبیر کی تقدیر ہو آئینہ دار

ہے یہاں شانِ امارت پردہ دارِ شانِ فقر
خرقہ درویشی کا ہے زیرِ قبائے زرنگار

خاکساری جوہر آئینۂ عظمت بنی
دستِ وقفِ کار فرمائی دلِ مصروفِ یار

نقش وہ اس کی عنایت نے مرے دل پہ کیا
محو کر سکتا نہیں جس کو مرورِ روزگار

شکریہ احساں کا اے اقبالؔ لازم تھا مجھے
مدح پیرائی امیروں کی نہیں میرا شعار

مکافاتِ عمل

یہ اشعار منشی سراج الدین صاحب کی بیاض سے لئے گئے ہیں جو انھوں نے کسی رسالہ یا علامہ کے کسی خط سے نقل کئے تھے۔

ہر عمل کے لئے ہے ردعمل
دہر میں عیش کا جواب ہے نیش

شیر سے آسمان لیتا ہے
انتقام غزال و اشتر و میش

سرگذشتِ جہاں کا سرِ خفی
کہہ گیا ہے کوئی نکو اندیش

شمع پروانہ را بسوخت دلے
زود بریاں شود بروغنِ خویش

قطعہ

اقبال رح نے اپنی نظم شمع اور شاعر، انجمن حمایت الاسلام کے سالانہ جلسہ میں پڑھنے سے قبل مندرجہ ذیل قطعہ پڑھا تھا۔ چونکہ نظم طویل تھی اس لئے مرحوم نے اس کو دو نشستوں میں سنایا تھا۔ ایک نشست کی صدارت فقیر افتخار الدین صاحب نے فرمائی تھی اور دوسری نشست کی صدارت مرزا سلطان احمد صاحب نے اسی مناسبت سے قطعہ میں سلطان اور فقیر کی طرف اشارہ ہے۔

ہم نشینِ بے ریائم از رہِ اخلاص گفت ۔ اے کلامِ تو فروغِ دیدۂ برنا و پیر
درمیانِ انجمن معشوقِ ہرجائی مباش ۔ گاہ با سلطان باشی گاہ باشی با فقیر
گفتمش اے ہم نشیں معذور می دارم ترا ۔ در طلسمِ امتیازِ ظاہری ہستی اسیر

من کہ شمعِ عشق را در بزمِ افروختم
سوختم خود را و سامانِ دوئی ہم سوختم

پیش کش

(بحضور سید علی امام مرحوم)

مرقومہ ذیل اشعار مثنوی اسرارِ خودی کے پہلے ایڈیشن میں بطریق انتساب درج تھے۔ دوسرے ایڈیشن میں انتساب کو حذف کر دیا مگر بعض اشعار کو تمہید میں جگہ دی۔ یہاں کل اشعار یکجا پیش کئے جاتے ہیں۔

اے امام اے سیدِ والا نسب
دودمانت فخرِ اشراف عرب

سلطنت را دیدہ افروز آمدی
عقلِ کل را حکمت آموز آمدی

آشنائے معنیٔ بیگانۂ   جلوۂ شمعِ مر پروانۂ
مرغِ فکرم گلستان ہا دیدہ است   از ریاضِ زندگی گل چیدہ است
ایں گل از تارِ رگِ جاں بستہ ام   تازہ تر در دستِ تو گلدستہ ام
بود نقشِ ہستیم انگارۂ   ناقبولے، ناکسے، ناکارۂ
عشق سوہاں زد مرا آدم شدم   عالمِ کیف و کم عالم شدم
حرکتِ اعصابِ گردوں دیدہ ام   در رگِ مہ دورِ خوں دیدہ ام
بہرِ انساں چشمِ من شب ہا گریست   تا دریدم پردۂ اسرارِ زیست
از درونِ کارگاہِ ممکنات   برکشیدم سرِّ تقویمِ حیات
من کہ ایں شب را چو مہ آراستم   گردِ پائے ملّتِ بیضا استم
ملّتے در باغ و راغ آوازہ اش   آتشِ دلہا سرودِ تازہ اش
ذرہ کِشت و آفتاب انبار کرد   خرمن از صد رومی و عطار کرد
آہِ گرمم رخت بر گردوں کشم   گرچہ دودم از تبارِ آتشم

خامہ ام از ہمتِ فکرِ بلند   راز این نہ پردہ در صحرا فگند

قطرہ تا ہم پایہ دریا شود   ذرہ از بالیدگی صحرا شود

لمت از جسم ست شاعر چشم اوست   جسم را از چشم بینا آبروست

چشم از نور محبت روشنم   اشکبار از درد اعضاے تنم

نذر اشکِ بے قرار از من پذیر

گریۂ بے اعتنیا راز من پذیر

تاریخ وفات شیخ عبدالحق

چو مئے جامِ شہادت شیخ عبدالحق چشید

باد بر خاکِ مزارش رحمتِ پروردگار

با عزیزاں داغ فرقت داد در عین شباب

آستیں ہا از دِر اشک غمش سرمایہ دار

بندهٔ حق بود ہم خدمت گذارِ قوم خویش

سالِ تاریخِ وفات او زعفران آشکار

تاریخِ وفات میاں شاہدین ہمایوں ما

در گلستانِ دہر ہمایوں نکتہ سنج
آمد مثالِ شبنم و چوں بوئے گل رمید

می جست عندلیبِ خوش آہنگ سالِ فوت
علامهٔ فصیح ز ہر چار سو شنید

تاریخِ فتحِ سمرنا

شاخِ ابراہیم را نم مصطفیٰ
مہدیِ آخر زماں ہم مصطفیٰ

گوش کن اے بے خبر تاریخ فتح
گفت اقبال اسمِ اعظم مصطفیٰ

۱۳۴۲ھ

خلافت اور ترک و عرب

حضرت گرامی کی غزل بالا ہمارے پاس پوری نہیں بھیجی گئی ہے اس غزل میں ایک شعر تھا۔ "فقر از کمانی ہمت است" جو حضرت اقبال کو بہت پسند آیا تھا اور اس پر تضمین کی تھی۔ حضرت اقبال اپنے گرامی نامے میں ہمیں لکھتے ہیں "پیام مشرق" میں اس واسطے اس کو داخل نہ کیا گیا کہ اس کے اشعار کی بندش کچھ بہت پسند نہ آئی اگر آپ کو پسند ہو تو مجھے اشاعت میں کوئی عذر نہیں" یہ سچ ہے کہ پیام مشرق کے ساز میں یہ لحن شیرازی کچھ زیادہ سامعہ نواز نہ ہو تو بھی اس سے الگ اقبال کی صدا کا ہر حرف گوشوارۂ حقیقت ہے۔ (معارف جلد ۱۳ نمبر ۲ صفحہ ۱۴۲)

سخنے راندہ کہ جمعہ قرشی | بر سر مسند نبی نہ نشست
درس گیر از گرامی ہمہ درد | کہ بریدہ از خود و با وے پیوست
رمز ترک و خلافت عربی | گفت آں می گسار بزم الست
"ناہ را بر فلک دو نیم کنیم | فقر را تر کمانی ہم ہست"

مرگِ قوم

یہ اشعار علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے منشی سراج الدین صاحب کی بیاض میں چھپا ہیں۔ شروع میں منشی سراج الدین صاحب کا یہ خیال تھا کہ یہ اشعار مثنوی اسرار خودی کے ہیں مگر جب مثنوی شایع ہوئی تو یہ خیال غلط ثابت ہوا۔

فرد برمی خیزد از مشت گلے — قوم زاید از دلِ صاحب دلے

فرد بہرِ شصت و ہفتاد ست و بس — قوم را صد سال مثل یک نفس

زندہ فرد از ارتباطِ جان و تن — زندہ قوم از حفظِ ناموسِ کہن

مرگِ فرد از خشکیٔ رودِ حیات — مرگِ قوم از ترکِ مقصودِ حیات۔

یہ اشعار علامہ مرحوم نے جنگ عظیم ۱۴ء تا ۱۸ء کے دوران میں بعض احباب کی فرمائش پر لکھے تھے۔

ہیچ می دانی کہ صورت بند ہستی با فرانس — فکرِ رنگین و دلِ گرم و شرابِ ناب داد

روس را سرمایۂ جمعیت ملت ربود | قہر او کوہِ گران را الرزۂ سیماب داد
ملک و تدبیر و تجارت را بہ انگلستاں سپرد | جرمنی را چشمِ حیران و دلِ بیتاب داد
نابر انگیزد نوائے حریت از سازِ دہر | صدر جمہوریۂ امریکہ را مضراب داد

ہر کسے در خورد فطرت از جناب او ببرد،
بہر ما چیزے نہ بود و خویش را با ما سپرد،

جلیانوالہ باغ امرتسر

ہر زائر چمن سے یہ کہتی ہے خاکِ باغ
غافل نہ رہ جہان میں گردوں کی چال سے
سینچا گیا ہے خونِ شہیداں سے اس کا تخم
تو آنسوؤں کا بخل نہ کر اِس نہال سے

مرثیۂ اکبر الہ آبادی

یہ مرثیہ پیام مشرق کے پہلے ایڈیشن میں شائع ہوا تھا۔ مگر بعد کے ایڈیشنوں سے علامہؒ نے حذف کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ پیام مشرق میں علامہ کے پیش نظر زیادہ تر مسائل تھے جن کا تعلق اقوام اور ملل کی موت اور زندگی سے تھا اور مرثیہ کی نوعیت ایک دوست کا نوحہ ہونے کی حیثیت سے صرف شخصی اور ذاتی تھی۔

دریغا کہ رخت از جہاں بست اکبر — میا آتش حق بود روشن دلیلی

سر دردہ طور معنی کلیمی — بہ بت خانہ در عصر حاضر خلیلی

نوائے سحرگاہ از کارواں را — اذانِ درائے پیام رحیلی

ز دلہا برافگندہ لات و عزیٰ — بجانہا کشانندہ سلسبیلی

دماغش ادب خوردہ عشق و مستی

دلش پرورش دادۂ جبرئیلی

حالی اور اقبال

علامہ مرحوم کی سب سے پہلی نظم جو انجمن حمایت اسلام کے پلیٹ فارم پر سنائی گئی وہ نالۂ یتیم تھی۔ جو ۱۸۹۹ء کے اجلاس میں پڑھی گئی تھی۔ یہ دل گداز اور پر اثر نظم اس قدر مقبول ہوئی کہ انجمن کے جلسوں میں لوگ اقبال کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔ علامہ بھی احباب کے اصرار و فرمائش کو رد نہ کرتے اور جلسوں میں شرکت کر کے اپنی موثر نظموں سے سب کو رلاتے اور خود بھی قومی درد سے مجبور ہو کر روتے تھے۔ انجمن کے جلسوں کی مقبولیت اور اجتماعات کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے ——

کہ اجلاس میں مولانا حالی، ڈاکٹر نذیر احمد، مرزا ارشد گورگانی، میاں سر محمد شفیع، سر عبدالقادر، میاں سر فضل حسین، مولانا ابوالکلام آزاد، خواجہ حسن نظامی وغیرہ جیسے اکابر جمع تھے۔ رسم تھی کہ کسی کا کوئی شعر پسند کیا جاتا تو داد اس طرح دیتے تھے کہ انجمن کو نقد عطیہ پیش کیا کرتے تھے۔

اقبال نے نظم پڑھی مولانا حالی مرحوم نے ایک شعر بہت پسند کیا اور انجمن کو دس روپیہ کا نوٹ

عطا فرمایا۔ سارا میدان نعرہائے تحسین سے گونج اٹھا۔ شاعر کی اس سے زیادہ ہمت افزائی اور کیا ہو سکتی تھی کہ خدائے سخن حالی اس کے کلام کی داد دے۔ کچھ عرصہ بعد مولانا حالی کے پڑھنے کی باری آئی۔ یہ وہ وقت تھا کہ ان کی آواز سننی مشکل ہوتی تھی۔ چونکہ اس جلسہ میں جہاں لاتعداد انسانوں کا مجمع تھا۔ لوگ بے قرار تھے کہ خود اس مصلحِ اعظم کی زبان فیض ترجمان سے اس کا پیغام سنیں اس لئے عجیب افراتفری سی پیدا ہو چلی۔ آخر شیخ عبدالقادر صاحب نے کھڑے ہو کر مجمع کو خاموش کیا۔ اور فرمایا کہ آپ مولانا حالی کی زبان سے تبرکاً جو کچھ بھی سنا جائے سن لیجئے بعد کو یہی نظم اقبال پڑھ کر سنائیں گے۔

جب اقبال مولانا حالی کی نظم سنانے کھڑے ہوئے تو اول ایک رباعی فی البدیہہ کہہ کر پڑھی جو اس موقع کے لحاظ سے بھی نیز اپنی بلاغت کے اعتبار سے بھی بہت خوب ہے۔ کہا تھا۔

مشہور زمانے میں ہے نام حالی　　معمور مئے حق سے ہے جام حالی
میں کشورِ شعر کا نبی ہوں گویا　　نازل ہے مرے لب پہ کلام حالی

مندرجہ ذیل اشعار جو حالی کی صد سالہ برسی پر نواب صاحب بھوپال کی موجودگی میں پڑھے گئے اور یہ ابتک اقبال کی کسی کتاب میں درج نہیں ہوئے ہیں۔

مزاجِ ناقہ را مانندِ عرفی نیک می بینم چو محمل را گراں بینم حدی را تیز تر خوانم

حمید اللہ خاں اے ملک و ملت را فروغ از تو ز الطاف تو موج لالہ خیزد از خیابانم

طواف مرقد حالی سزد ارباب معنی را نوائے او بجانہا افگند شورے کہ من بینم

بیا تا فقر و شاہی در حضور او بہم سازیم

تو بر خاکش گہر افشاں و من برگِ گل افشانم

ایک دوسرے موقع پر حالی سے متعلق مندرجۂ ذیل قطعہ کہا تھا۔

آں لالۂ صحرا کہ خزاں دیدہ و بیفسرد سید دگر او را نمے از اشک سحر داد

حالی ز نواہائے جگر سوز نیاسود تا لالۂ شبنم زدہ را داغ جگر داد

عرشی، اقبال اور ظفر علیخاں

خمخانہ اقبال کے مستوں کو شاید مئے ناب میں حضرت عرشی اور مولانا ظفر علی خاں کے اشعار کی آمیزش خوشگوار نہ معلوم ہو مگر ان دونوں نظموں سے علامہ کے اشعار کی وضاحت ہوتی ہے لہذا ان کو یہاں یک جا جمع کر دیا گیا ہے۔

پیام عرشی امرت سری بنام اقبال رح

اے ترنم ہائے رنگینت گلستان سخن
معنیٔ عیسیٰ دمت بخشندۂ جان سخن

اے حیات تازہ دادی نغمہ را از نطق خویش
گشتہ شور افگن ارض و سما از نطق خویش

از عروس طبع بر ما جلوہ ہا پاشیدہ
وز چمن زار تکلم تازہ گلہا چیدہ

شعلہ سوز اندوز از آتش نوائی ہائے تو
بادہ کیف آموز از تخیل ذوق افزائے تو

بہ فراز طارم اعلیٰ لوا افراختی
نرد خود را در قمار جمع ماد باختی

بافت از تو عرگزے ہنگامۂ بیتاب ما
رنجبی تخم سکوں در مزرعۂ سیماب ما

لیکن اے اقبال ایں رنگیں نوائی تابکے　　از نفس گرمی و از دل شعلہ زائی تابکے

اے تو ئی در آشیاں و گلشنت بر باد رفت　　نغمہ ماندی، و پرواز تو با صیاد رفت

خیز و گل بانگِ دہل در گنبدِ خضرا فگن　　از قبور آیند خلقے شور صور آسا فگن

خیز و صوتِ خود بآہنگ رجز تبدیل کن　　قطرۂ داری بیا و در شرر تحلیل کن

خیز زیں کنج منافت جلوہ بر ما فگن　　ہاں بیا ہمچوں ثنائی گوے در میداں فگن

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

دانی کہ چیست شیوۂ مستانِ پختہ کار　　عرشی، گماں مدار کہ پیمانہ ام شکست

دارم ہنوز از کرم ساقیٔ حجاز　　آہ درونہ تاب کہ خیزد ز سینہ مست

از شاخسارِ فطرت من می دمد ہنوز　　آں لالہ کہ موجِ نسیمے دلش نہ خست

لیکن شنیدۂ کہ دمِ گردشِ شراب　　پیر عجم چہ گفت بہ رنداں مے پرست

دانا کہ دیدہ شعبدۂ چرخِ حقہ باز　　ہنگامہ باز دیدہ و در گفتگو بہ بست

۲۳ مئی سنہ۱۹۲۲ء (زوال آل عثمان)

عرشی اور اقبال کی قیل و قال پر ظفر علیخان کا محاکمہ

بندہ نواز ہم سے نہیں کچھ چھپی ہوئی
پیر فلک کی شعبدہ بازی کی بود و ہست

مانا کہ آسمان سے شمس و قمر کی فوج
پیہم اتر رہی ہے کہ ظلمت کو دے شکست

لیکن نہ قول سعدی شیراز بھولئے
چھوٹا نہیں جو ہاتھ سے سر رشتۂ الست

"رفتن بپائے مردیٔ ہمسایہ در بہشت
حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است"

غزل

بلا کشتگان محبت کی یادگار ہوں میں
مٹا ہوا خطِ لوحِ سرِ مزار ہوں میں

فنا ہوئے پہ بھی گویا وفا شعار ہوں میں
جو مٹ گیا تو حسینوں کا اعتبار ہوں میں

نشہ میں مست سمجھا ہے مجھ کو کیوں واعظ — وہ اپنا وعظ کہے جائے ہوشیار ہوں میں
تڑپ کے شانِ کریمی نے لے لیا بوسہ — کہا جو سر کو جھکا کر گناہ گار ہوں میں

رہی نہ زہر میں اقبالؔ وہ پرانی بات
کسی کے ہجر میں جینے سے شرمسار ہوں میں

غزل

کیا تھا گردشِ ایام نے مجھے محزوں — بدن میں جان تھی جیسے قفس میں صید زبوں
جو سامنے تھی مرے قوم کی بری حالت — اُمڈ گیا مری آنکھوں سے خون کا سیحوں
ہزار شکر کہ اک انجمن ہوئی قائم — یقیں ہے راہ پہ آئے گا طالعِ وارُوں
ہلال وار اگر منہ میں دو زبانیں ہوں — ادا نہ پھر بھی ہو شکر خدائے کن فیکوں
کرم سے اس کے وہ صورت فلاح کی نکلی — کہ حسنِ قوم ہر اک شر سے ہو گیا مصئوں

چراغ عقل کو روشن کیا ہے ظلمت میں ہمارے ہاتھ میں آجائے گا درِ مکنون
بڑھے یہ بزم ترقی کی دوڑ میں یارب کبھی نہ ہو قدم تیز آشنائے سکون
اسی سے ساری امیدیں بندھی ہیں اپنی کہ ہے وجود اس کا پئے قصر قوم مثل ستون
کچھ ان میں شوق ترقی کا حد سے بڑھ جائے ہماری قوم پہ یارب وہ پھونک دے افسوں
دکھائیں فہم و ذکا و ہنر یہ اوروں کو زمانے بھر کے یہ حاصل کریں علوم و فنون
جو تیری قوم کا دشمن ہوا اس زمانے میں
اسے بھی باندھ لے اقبال صورت مضموں

شیخ عطا اللہ صاحب ایم۔ اے مرتب "اقبال نامہ" راقم کو اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں "کوشش تو کر رہا ہوں کہ اقبال کے ہاتھ کی ہر نوعیت کی تحریریں دستبرد زمانہ سے محفوظ ہو جائیں۔ تین شعر (غیر مطبوعہ) انتخابات کے ایک پوسٹر سے لاہور سے ملے ہیں۔ امید کہ ان کے مطالعہ سے آپ کو مسرت حاصل ہوگی۔ خیال ہے کہ اقبال نامہ کے

صفحۂ اول پر نہیں درج کراؤں۔ جس پوسٹر میں یہ اشعار تھے وہ شیخ صاحب کے پاس موجود ہے۔ مگر اس کے علاوہ کوئی شہادت ایسی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ یہ اشعار علامہ مرحوم کے ہی ہیں۔ اگر ناظرین کرام میں سے کسی کو اس کا علم ہو تو براہ کرم راقم الحروف کو مطلع فرمائیں۔

احتسابِ خویش کن از خود مرو   یک دو دم از غیر خود بیگانہ شو
تا کجا ایں خوف و وسواس و هراس   اندریں کشور مقام خود شناس

ایں چمن دارد بسے شاخِ بلند
بر نگوں شاخ آشیان خود مبند

قطعہ

حکیم عبدالوہاب صاحب انصاری عرف حکیم نابینا جو شروع میں حیدر آباد دکن میں سکونت پذیر تھے مگر بعد میں دہلی میں مطب فرمانے لگے تھے اپنے فن میں یکتائے روزگار

تھے۔ علامہ مرحوم نے آخری زمانہ علالت میں حکیم صاحب قبلہ کی طرف رجوع کیا تھا۔ حکیم صاحب نے علامہؒ کے لئے اپنی شہرۂ آفاق دوا روح الذہب تجویز فرمائی تھی اس دوا سے علامہ کو بہت فائدہ ہوا تھا۔ اس افاقہ کے تاثرات علامہ نے اس قطعہ میں قلمبند فرمائے ہیں۔ یہ قطعہ علامہ مرحوم نے جناب نذیر نیازی کو ایک خط میں لکھ کر بھیجا تھا تاکہ حکیم صاحب قبلہ کے گوش گذار کر دیں۔ جناب نذیر نیازی نے اس واقعہ کا ذکر اپنے ایک مضمون "اقبال کی آخری علالت" میں لکھا ہے۔

ہے دو روحوں کا نشیمن پیکرِ خاکی مرا
رکھتا ہے بیتاب دونوں کو مرا ذوقِ طلب
ایک جو اللہ نے بخشی مجھے صبحِ ازل
دوسری ہے آپ کی بخشی ہوئی رُوح الذہب

مولانا محمد علی مرحوم کی وفات پر

یہ اشعار علامہ مرحوم نے مولانا محمد علی مرحوم کی انگلستان میں وفات پر لکھے تھے۔ اور جریدوں میں شایع ہو چکے ہیں۔ راقم الحروف نے یہ اشعار سر عبدالقادر کی زبانی سنے تھے عبدالقادر صاحب کو یہ مصرع بے حد پسند تھا ع سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت۔

یک نفس جانِ نزارِ او تپید اندر فرنگ ‌ ‌ ‌ تا شرہ برہم زنیم از ماہ و پروین درگذشت

اے خوشا مشتِ غبارِ او کہ در جذبِ حرم ‌ ‌ ‌ از کنار اندلس از ساحلِ بربر گذشت

خاکِ قدس اورا بآغوشِ تمنا در گرفت ‌ ‌ ‌ سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت

می نہ گنجد جز بآں خاکے کہ پاک از رنگ و بوست ‌ ‌ ‌ بندۂ کو از تمیزِ اسود و احمر گذشت

جلوۂ او تا ابد باقی بچشمِ آسیاست
گرچہ آں نورِ نگاہ خاور از خاور گذشت

(منقول از بیاض منشی سراج الدین صاحب)

دُعا

مولانا عبدالمجید صاحب سالک بی۔اے۔ مدیر انقلاب نے "اقبال اور اس کا پیغام" (جو ڈاکٹر تصدق حسین صاحب خالد اور میاں محمد رفیق صاحب جاوری کی کوششوں کا نتیجہ ہے) کے دیباچہ میں علامہ مرحوم کے یہ اشعار نقل کئے ہیں مولانا کی تمہید کے ساتھ یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ "آج سے چند سال پہلے جب علامہ اقبال درد گردہ میں مبتلا ہوئے تو اس ظالم مرض کی صعوبت سے بے قرار ہو کر آپ نے خدا کو مخاطب کیا کہ......

وہ مرا فرصتِ یک دو سہ روزے کرمے — کہ دریں دیرِ کہن بندۂ بیدار کجاست

میر و مرزا بسیاست دل و دیں باختہ اند — جز برہمن پسرے محرمِ اسرار کجاست

حرفِ ناگفتہ مجالِ نفسے می خواہد

ورنہ ما را بہ جہانِ تو سروکار کجاست

متفرقات

یہ باب ان اشعار پر مشتمل ہے جو اصل نظموں سے حذف کر دئے گئے تھے۔ اصل نظمیں مختلف مجموعوں میں شایع ہو چکی ہیں۔ چونکہ ہمارے لئے یہ متروکہ اشعار بھی ایک گراں بہا سرمایہ ہیں اس لئے ان کو یکجا کرکے زیور طباعت سے آراستہ کرنا ضروری سمجھا گیا۔

غزل

مرقومۂ ذیل دو شعر اس غزل کے ہیں جو علامہ مرحوم نے طالب علمی کے زمانہ میں حکیم امین الدولہ صاحب مرحوم کے مکان واقع اندرون بھاٹی دروازہ میں ایک مشاعرہ میں پڑھے تھے۔ اس مشاعرہ میں جناب ارشد گورگانی بھی موجود تھے اور انھوں نے پہلے شعر پر بے حد داد دی تھی۔ پوری غزل حاصل کرنے کی بیحد کوشش کی گئی، مگر کامیابی نہیں ہوئی یہ دو شعر یہاں اس لئے درج کئے جاتے ہیں کہ جن صاحب کے پاس باقی اشعار ہوں وہ براہِ کرم ارسال فرمادیں۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لئے　　قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

اقبال لکھنؤ سے نہ دہلی سے ہے غرض
ہم تو اسیر ہیں خمِ زلفِ کمال کے

غزل

(پوری غزل کے بارہ شعر ہیں)

ہمصفیر و تم مری حالی نگاہی دیکھنا　شاخِ نخل طور تا ڑی آشیانے کے لئے

قصہ خواں نے کیوں سنا دی داستاں مجھکو مری　رہ گیا تھا میں ہی کیا اپنے فسانے کے لئے

عشق نے مٹی کو مسجودِ ملائک کر دیا　ورنہ انساں اور فرشتے سر جھکانے کے لئے

صبحِ پیدائش یہ کہتا تھا کسی سے دردِ عشق　آنکھ رونے کیلئے دل ٹوٹ جانے کے لئے

ترک کر دی تھی غزل خوانی مگر اقبال نے
یہ غزل لکھی ہمایوں کو سنانے کے لئے ۔

(سنہ ۱۹۰۱ عیسوی)

میاں محمد شاہدین ہمایوں بیرسٹر ایٹ لا ۔

غزل

(۱۹۰۳ء عیسوی)

(پوری غزل کے انیس شعر ہیں۔ جو بانگِ درا میں نہیں ہیں صرف ان کو درج کیا جاتا ہے)۔

نہ سیکھی تو نے مرغِ رنگِ گل سے رمزِ آزادی
یہ قیدِ بوستاں بلبل خیالِ آشیاں تک ہے،

بنائیں چارہ گر نے دیدۂ حیراں کی زنجیریں
نظر آیا سا مری وحشت میں بے تابی یہاں تک ہے

میں خارِ خشک پہلو شعلۂ گلخن کے قابل ہوں
پڑے رہنا مرا گلشن میں رحمِ باغباں تک ہے

مثالِ عکس بے تارِ نفس ہے زندگی میری
تری آسیب کاری اے اجل اقلیم جاں تک ہے

زباں تک عقدۂ تنخالہ بن کر رہ گیا مطلب
اثر مجھ دل جلے کی بستہ کاری کا کہاں تک ہے

نہیں منت پذیرِ چشم رونا شمع سوزاں کا
سمجھ غافل گدازِ دل میں آزادی کہاں تک ہے

بھلا اے گل کبھی اس رمز کو بھی تو نے سمجھا ہے
تری شبنم فریبی کیوں بہارِ بوستاں تک ہے

یہ ہے اقبال فیضِ یادِ نامِ مرتضیٰؑ جس سے
نگاہِ فکر میں خلوت سرائے لامکاں تک ہے

صبح کا ستارہ

عارضی حُسن ہے دشمن ہے مرا نورِ سحر یہ ملا خسروِ خاور کا پیامی بن کر

صبر کا خون نکل آیا ہو مل کر مجھ میں

ایک طوفان ہوا افکار کا مضمر مجھ میں

(۱۹۰۴ء)

صدائے درد

صدائے درد کے عنوان سے جو نظم بانگِ درا میں ہے اس میں

مرقومہ ذیل اشعار نہیں ہیں ۔

پھر بلالے مجھکو اے صحرائے وسطِ ایشیا

آہ اس بستی میں اب میرا گزارا ہو چکا

پیارے چل مجھ کو پھر اے کشتیِ موجِ اٹک
اب نہیں بھاتی یہاں کے بوستانوں کی مہک

ہاں سلام اے مولدِ بوذاسف گوتم تجھے
اب فضا تیری نظر آتی ہے نامحرم مجھے

الوداع اے سیرگاہِ شیخ شیراز الوداع
اے دیارِ بالمیک نکتہ پرداز الوداع

الوداع اے مدفنِ ہجویریِ اعجاز دم
رخصت اے آرام گاہِ شنکرِ جادو رقم

الوداع اے سرزمینِ نانک شیریں بیاں
رخصت اے آرام گاہِ چشتیِ عیسیٰ نشاں

رمز الفت سے مرے اہل وطن غافل ہوئے
کارزارِ عرصۂ ہستی کے ناقابل ہوئے

اپنی اصلیت سے ناواقف ہیں کیا انساں ہیں
غیر اپنوں کو سمجھتے ہیں عجب نادان ہیں
جس کا اک مدت سے دھڑکا تھا وہ دن آنیکو ہے
صفحۂ ہستی سے اپنا نام مٹ جانے کو ہے
دل حزیں ہے، جان رہن رنج بے اندازہ ہے
آہ اک دفتر ہے اپنا وہ بھی بے شیرازہ ہے
امتیاز قوم و ملت پر مٹے جاتے ہیں یہ
اور اسی الجھی ہوئی گتھی کو سلجھاتے ہیں یہ
ہم نے یہ مانا کہ مذہب جان ہے انسان کی
کچھ اسی کے دم سے قائم شان ہے انسان کی
روح کا جوبن نکھرتا ہے اسی تدبیر سے
آدمی سونے کا بن جاتا ہے اس اکسیر سے

رنگِ قومیت مگر اس سے بدل سکتا نہیں
خونِ آبائی رگِ تن سے نکل سکتا نہیں

اصل محبوب ازل کی ہیں یہ تدبیریں سبھی
اک بیاضِ نظمِ ہستی کی ہیں تصویریں سبھی

اک ہی شے ہے اگر ہر چشم دل مخمور ہے
یہ عداوت کیوں ہماری بزم کا دستور ہے

عہدِ طفلی

یہ نظم بانگِ درا میں ہے مگر مندرجہ ذیل بند اس میں نہیں ہیں۔

ہاں اٹھا اے ساحرِ ایام یہ جادو ذرا ابلقِ گردوں نہ ہو محوِ رمِ آہو ذرا

ہائے پھر آجا کہیں سے عمرِ رفتہ تو ذرا　لاوہ نظارہ پے چشم تماشا جو ذرا

خون رلواتے ہیں ایام جوانی کے مزے
لا کہیں سے پھر وہی ایام طفلی کے مزے

ہائے وہ عالم کہ عالمگیر تھی اپنی ادا　غیرتِ صد فصل گل تھی اپنے گلشن کی ہوا
مکتب طفلی میں غیر از درس آزادی نہ تھا　زنگ افکار جہاں سے شیشۂ دل تھا صفا

مایہ دار صد مسرت اک تبسم تھا مرا
گوش دل لگ جائیں جب پر وہ تکلم تھا مرا

آہ اے دنیا نمک پاش خراش دل ہے تو　جس کے مردانے تو بجلی ہوں وہ حاصل ہے تو
جو مسافر سے پرے رہتی ہو وہ منزل ہو تو　جس کی لیلیٰ مایہ وحشت ہو وہ محمل ہے تو

میرے ہاتھوں کوئی جو یائے مے تسکین نہ ہو
ایمن از مار زمین گلستاں گلچیں نہ ہو

التجائے مسافر

یہ نظم بانگ درا میں موجود ہے۔ محذوفہ اشعار کو یہاں جمع کیا جاتا ہے۔ نیز نظم کے شان نزول مولانا سید غلام بھیک نیرنگ کے رشحات قلم بھی کچھ کم دلچسپ نہیں ہیں۔ ہم اشعار کے ساتھ سید صاحب موصوف کی عبارت بھی نقل کئے دیتے ہیں کہ ناظرین کا لطف دو بالا ہو جائے۔

"۲؍ ستمبر ۱۹۰۵ء ہمارے خاص احباب کی تاریخ محبت میں ایک قابل یادگار دن ہے۔ صبح کا سہانا سماں ہے۔ بمبئی میل دہلی کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچی ہے۔ خواجہ سید حسن نظامی دہلوی اور منشی نذر محمد بی۔ اے اسٹیشن پر استقبال کو آئے ہیں۔ استقبال کس کا ہے؟ جدید شاعری کی روح رواں اقبال با اقبال اور اس کے ہمراہیوں کا۔ وہ کیسے؟ اقبال بغرض تعلیم علوم و فنون انگلستان کو روانہ ہوئے ہیں۔ نیرنگ اور اکرام اپنے پیارے دوست کو رخصت کرنے کے لیے دہلی تک ساتھ گئے ہیں۔ ریل

سے اتر کر اول منشی نذر محمد صاحب کے مکان پر تھوڑی دیر آرام کیا۔ بعد میں حسب دوست مل کر حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہٗ کی درس گاہ آسمان پایگاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں شہنشاہ ہمایوں کے مقبرے کی زیارت اور سیر کی۔ درگاہ میں پہونچکر مزار مبارک پر حاضر ہوئے۔ اول اقبال نے عالم تنہائی میں مزار مبارک کے سرہانے بیٹھ کر ذیل کی نظم پڑھی اور ان کی درخواست پر سب احباب باہر صحن میں ٹھہرے رہے بعد میں دوستوں کے اصرار پر اقبال نے اس نظم کو درگاہ کے صحن میں بیٹھ کر مزار مبارک کی طرف منھ کر کے دوبارہ ایک درد انگیز اور دل نشیں لہجہ میں پڑھا۔ سب احباب اور دیگر سامعین نہایت متاثر ہوئے۔ اور بے تحاشا زبان سے موقع بموقع کلمات تحسین و آفرین نکلتے تھے۔ ایک محویت کا عالم تھا کہ جس کی تصویر حاضرین کے تصور ہی کھینچ سکتے تھے۔ درگاہ سے واپس ہو کر خواجہ حسن نظامی صاحب کے مکان پر قیام کیا۔ ولایت نامی ایک نو عمر قوال خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ نو تعلیم تھا مگر خوش گلو اور باطبیعت وہ کچھ گاتا رہا اور وقت نہایت حزسے

اور کیفیت سے گزرا۔ اس کے بعد شہر کو واپس ہوئے۔ واپسی کے وقت خاتم الشعرا مرزا اسداللہ خاں غالب کی تربت پر حاضر ہوئے۔ عجیب کیفیت تھی۔ بندہ نیرنگ مرزا صاحب کی تربت کے سرہانے لوح تربت پر ہاتھ رکھے ہوئے بیٹھا تھا۔ میرے دائیں جانب اقبال عالم محویت میں بیٹھے تھے اور تربت کے گرداگرد تمام پارٹی حلقہ باندھے ہوئے تھی۔ دو بجے دن کا وقت اور دن بھی ستمبر کا، دھوپ تیز اور ہوا میں گھمس مگر اسی قبر کی زیارت کا اثر تھا کہ کسی کو گرمی کا خیال تک نہ تھا۔ قوال زادے کو عجیب وقت کی سوجھی۔ بولا حضور! مرزا غالب کی ایک غزل یاد آئی اگر اجازت ہو تو سناؤں۔ سرود بستاں یاد دہانیدن۔ یہاں عذر کس کو تھا۔ چنانچہ اس نے یہ غزل گائی۔

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی

دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

ذیل کے دو شعروں میں عجیب کیفیت رہی۔

اڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں

یارب اب اے خدا ہوں بال و پر گئی

وہ بادہ شبانہ کی سر مستیاں کہاں

اُٹھیے بس اب کہ لذتِ خواب سحر گئی

غزل ختم ہونے پر جب ایک دو منٹ میں ذرا ہوش بجا ہوئے تو سب چلنے کو اٹھے۔ اقبال نے جوش محویت میں مرزا صاحب کے مزار کو بوسہ دیا اور سب شہر کو روانہ ہوئے۔ اچھا اقبال

بہ سفر رفتنت مبارک باد

بسلامت روی و باز آئی

زندہ رہیں گے تو تین سال بعد تیرے کلام کو تیری زبان سے پھر سنیں گے۔

ترے وجود سے روشن ہے راہِ منزل عشق دیارِ عشق کا مصحف کلام ہے تیرا

خروش میکدۂ شوق ہے ترے دم سے طلب ہو خضر کو جس کی وہ جام ہے تیرا

کرم کرم کہ غریب الدیار ہے اقبال مرید پیر نجف ہے غلام ہے تیرا

کیا ہے تیرا مقدر نے مدح خواں مجھ کو — کیے ہزار مبارک مری زباں مجھ کو

چڑھا گئے پھول مرے رنگِ فتنہ کے سر پر — اُڑائے پھرتی ہے حسرت کہاں کہاں مجھ کو

بیاں کروں تپشِ عشق کو تو آتشِ دل — شرارے دے پئے تمہید داستاں مجھ کو

میں تفتہ دل ہوں پرانا نیاز مند ترا — دکھایا آج خدا نے یہ آستاں مجھ کو

تلاشِ مہر میں شبنم صفت اُڑا کے چمن — ذرا سا دینا ہے غنچہ کا آشیاں مجھ کو

گریز میرے دلِ دردمند کا ہے شعار — بہت ستاتا ہے اندیشۂ زیاں مجھ کو

بنایا تھا جسے چُن چُن کے خار و خس میں نے — چمن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو

مرا وہ یار بھی معشوق بھی برادر بھی — کہ جس کے عشق سے جنت ہے یہ جہاں مجھ کو

یونہی بنی رہے محفل مرے احبا کی — ہرا بھرا نظر آئے یہ بوستاں مجھ کو

بھلا ہو دونوں جہاں میں حسن نظامی کا — ملا ہے جس کی بدولت یہ آستاں مجھ کو

قسم ہے اس کے دلِ دردمند کی آقا
تری ثنا کے لئے حق نے دی زباں مجھ کو

خفتگانِ خاک سے استفسار

(۱۹۰۳ء عیسوی)

یہ نظم بھی علاوہ ذیل کے اشعار کے بانگِ درا میں موجود ہے.

کام دھندا ہو چکا اب نیند ہے آرام ہے
ہائے وہ آغازِ محنت جس کا یہ انجام ہے!
وہ ولایت بھی ہمارے دیس کی صورت ہے کیا
شب وہاں کی کیا ہے صبح و شام کی رنگت ہے کیا
دل میں ہوتے ہیں اسی صورت سے ولولے
اس ولایت میں بھی کیا مجبور رہتے ہیں اسیر
اس جدائی میں نہفتہ وصل کا ساماں ہے کیا
چشم بستہ بسترِ گوہر پہ انساں ہے کیا

غزل

مندرجہ ذیل اشعار کے علاوہ باقی اشعار بانگِ درا میں موجود ہیں ۔

کوئی یوں گیا ہے ادھر سے نکل کر قیامت تھی بجلی تھی رفتار کیا تھی

نہ چھوڑا کبھی بے وفائی نے تم کو مری طرح یہ بھی وفادار کیا تھی

ہزاروں کلیجے کو تھامے ہوئے ہیں الٰہی وہ چشم فسوں کار کیا تھی

لیا مغفرت نے تڑپ کر بغل میں
کرامت تھی شرم گنہگار کیا تھی

(محمد کرامت اللہ عثمانی منیجر مشہور آفسٹ لیتھو پریس کراچی نے طبع کیا)

ظریفانہ

یہ تمام قطعات مولوی عبدالرزاق صاحب نے کلیات اقبال میں درج کئے ہیں۔

(۱)

اخبار میں یہ لکھتا ہے لندن کا پادری
ہم کو نہیں ہے مذہب اسلام سے عناد
لیکن وہ ظلم ننگ ہے تہذیب کے لئے
کرتے ہیں ارمنوں پہ جو ترکانِ بدنہاد
مسلم بھی ہوں حمایتِ حق میں ہمارے ساتھ
مٹ جائے تا جہاں سے بنائے شر و فساد
سُن کر یہ بات خوب کہا شہنواز نے
بلّی چوہے کو دیتی ہے پیغام اتحاد

(۲)

بخت مسلم کی شب تار سے ڈرتی ہے سحر
تیرگی میں ہے یہ شب دیدۂ آہو کی طرح
ہے اندھیرے میں فقط مولوی صاحب کی نمود
بن کے شمس العلماء چمکے ہیں جگنو کی طرح

(۳)

ہند کی کیا پوچھتے ہو اے حسینان فرنگ!
دل گراں، ہمت سبک، ووٹر فزوں، وزری تنگ
بے ٹکٹ بے پاس بھارت کی سیاسی ریل میں
ہو گیا آخر مسینا بھی مع اسباب بُک

"لک ودن" کا حکم تھا اس بندۂ اللہ کو
اب یہ سنتے ہیں نکلنے کو ہے "مسلم آوٹ لک"

کیا عجب پہلے ہی لیڈر ہیں یہ کر دے آشکار
کس طرح آیا کوے کر اڑ گیا صاحب کا لُک

ختم تھا مرحوم اکبر پہ ہی یہ رنگِ سخن
ہر سخنور کی یہاں طبع رواں جاتی ہے رُک

قافیہ اک اور بھی اچھا تھا لیکن کیا کریں
کر دیا متروک دلّی کے زباں دانوں نے ٹک

(۴۳)

عمل عاشقوں کے ہیں بے طور سارے نہیں اس کمیٹی کا کوئی اجنڈا
ہمیں ہند سرمایہ دار و مبارک سلامت رہے مجھ کو قینچی، یو گنڈا

میں ڈنڈے پٹنا کر تو انڈے پہ راضی

مرا پیر ڈنڈا، ترا پیر انڈا

(۵)

پٹی خوب جمّن کے ہاتھوں نصیبن گئی عرس میں اور شب بھر نہ آئی

نہیں بار صاحب کے ٹیبل پہ اس کو پڑی روپ بسکٹ کا دھارے خطائی

خدا کی زمیں تھی مزارع نے جوتی

کمائی مگر چودھری جی نے کھائی

٦

جناب شیخ کو پلواؤ خاص لندن کی

عجیب نسخہ ہے یہ خود فراموشی کے لئے

ہمارے حق میں تو جینا بتر ہے مرنے سے
جو زندہ ہیں تو فقط آپ کی خوشی کے لئے

ہوا میں جینے سے بیزار جب تو فرمایا
کہاں سے لاؤ گے بندوق خودکشی کے لئے

(۷)

محنت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے
دیکھئے ہوتا ہے کس کس کی تمناؤں کا خوں

حکمت و تدبیر سے یہ فتنۂ آشوب خیز
ٹل نہیں سکتا وَقَدْ کُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشم مسلم دیکھ تفسیر حرف یَنْسِلُوْنَ

(۸)

یہ قطعہ علامہ مرحوم نے عطیہ بیگم کو ایک خط میں لکھا تھا۔ چنانچہ عطیہ بیگم کے نام علامہ کے جو خطوط شائع ہوئے ہیں اس مجموعہ میں یہ قطعہ موجود ہیں۔

مندمل زخمِ دل بنگال آخر ہو گیا
وہ جو تھی پہلے تمیز کافر و مومن گئی
تاجِ شاہی یعنی کلکتہ سے دہلی آ گیا
مل گئی بابو کو دھوتی اور پگڑی چھن گئی

یتیم کا خطاب ہلال عید سے

باوجود

بے حد کوشش کے اس نظم کے چند ہی بند دستیاب ہو سکے تھے۔ ان کو باقیات اقبال میں شامل کر لیا گیا تھا۔ مگر کتاب کے دوران میں جناب عنایت اللہ کاتب کتاب ہذا کی عنایت سے پوری نظم مل گئی۔ لہذا اب بطور ضمیمہ کے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔

بندہ

واحد

بندِ اوّل

اے مہِ عید بے حجاب ہے تو
حُسنِ خورشید کا جواب ہے تو

اے گریبانِ جامۂ شبِ عید
شاہدِ عیش کا شباب ہے تو

اے نشانِ رکوعِ سورۂ نور
نقشۂ کلکِ انتخاب ہے تو

اے جوابِ خطِ جبینِ نیاز
طاعتِ صوم کا ثواب ہے تو

ہائے اے حلقۂ پرِ طاؤس
قابلِ ذالکَ الکتاب ہے تو

فوجِ اسلام کا نشاں تو ہے
چشمِ نصرت کا انتخاب ہے تو

چشمِ طفلی نے جب تجھے دیکھا
کہہ دیا خواب کو کہ خواب ہے تو

طوفِ منزل گہِ زمیں کے لئے
ہمہ تن پائے در رکاب ہے تو

یہ اُبھرتے ہی آنکھ سے چھپنا
روشنی کا مگر حباب ہے تو

تو کمندِ غزالِ شادی ہے۔
لذّت افزائے شورِ طفلی ہے

بند دوم

مقصدِ دیدۂ امید ہے کل
گوہرِ عیش کی خرید ہے کل

دیدہ مہرِ عالم آرا میں
سرمۂ عید کی کشید ہے کل

گلشنِ نو بہارِ ہستی میں
سبزۂ عیش کی دمید ہے کل

کحلِ محراب ہر جبینِ نیاز
زینت افزائے عینِ عید ہے کل

اے مہِ نو ترا پیام طرب
ہے شنید آج چشمِ دید ہے کل

اے نسیم نشاطِ روحانی
باغِ دل میں تری وزید ہے کل

ہے یہی نغمۂ لبِ طفلی
ہاتھ لانا ادھر کہ عید ہے کل

کمسنوں کو یہ کہہ رہا ہے ہلال
لو میاں شب بخیر عید ہے کل

سرِ بالیں لباسِ طفلی ہے
میری عریاں تنی کی عید ہے کل

لے مہِ نو خوشی ہو کیا جی کو
ترے آنے سے کیا یتیمی کو

بند سوم

جھوٹ ہے عید کا ہلال ہے تو ساغرِ بادۂ ملال ہے تو
کہہ سنا قصۂ ستم زدگاں کہ ہمارا لبِ مقال ہے تو
ہستیٔ سوز ہے نظارہ ترا غازۂ عارضِ مقال ہے تو
اے گدائے شعاعِ پرتوِ مہر ہمہ تن کاسۂ سوال ہے تو
چشمۂ مہر پر نظر ہے تری تشنہ کامِ مئے کمال ہے تو
یہ دکھاوا ہے سب تلاشِ کمال یا بہ منزل گہِ زوال ہے تو
ہائے شاید خبر نہیں تجھ کو اپنی امید کا مآل ہے تو
بڑھ گیا جسم مرے مقدر کا کیوں نہ کہدیں کہ بے مثال ہے تو
مہ کہ شوقِ لباسِ نو کے لئے سبق آموزِ انفعال ہے تو

کیا بتاؤں تجھے کہ کیا ہوں میں
تجھ کو حسرت سے دیکھتا ہوں میں

بندِ چہارم

ستم گوشِ باغباں ہوں میں — خبرِ آمدِ خزاں ہوں میں
شرمسارِ متاعِ ہستی ہوں — مایۂ نازشِ زیاں ہوں میں
مجھ سے شرما گیا تبسم بھی — کہ سراپا لبِ فغاں ہوں میں
بار ہوں طاقتِ شنیدن پر — کس مصیبت کی داستاں ہوں میں
آہ منزل نہیں نصیبوں میں — موجۂ گردِ کارواں ہوں میں
اپنی بے مایگی پہ نازاں ہوں — مفت جاتا ہوں کیا گراں ہوں میں
اے فلک خوانِ زندگی پہ مگر — کوئی ناخواندہ میہماں ہوں میں
ستمِ ناروا سے مرتا ہوں — آسماں کا مزاج داں ہوں میں
آرزو یاس کو یہ کہتی ہے — اک مٹے شہر کا نشاں ہوں میں

ایسی قسمت کسی کی ہوتی ہے
آہ میری اثر کو روتی ہے

بند پنجم

بن کے نشتر چبھا ہے تو دل میں آرزو ہو گئی لہو دل میں
چاکِ دل پر نثار ہوتی ہے حسرت سوزنِ رفو دل میں
یاس نقشہ جمائے جاتی ہے چھبتی پھرتی ہے آرزو دل میں
دردِ تیری سے بڑھ گیا اے غم کیا رہی تیری آبرو دل میں
دو گھڑی بیٹھنے نہیں دیتی ہے کوئی چیز فتنہ خو دل میں
گرہِ رشتۂ حیات نہ ہو یہ جو ہوتی ہے آرزو دل میں
دیکھ لے یاس اب تلک باقی خون اُمید کی ہے بو دل میں
عمر تیری بڑی ہے یادِ پدر تھی ابھی تیری گفتگو دل میں
اے خیالِ مسرّتِ طفلی آ گیا ہے کدھر سے تو دل میں

دردِ دل کا بھی کیا فسانہ ہے
خون رونے کا اک بہانہ ہے

بند ششم

مصرِ ہستی میں شام آتی ہے
رنگ اپنا جمائے جاتی ہے

اے سبوئے مئے شفق اے شام
تو مئے بے خودی پلاتی ہے

سرمۂ دیدۂ اُفق بن کر
چشمِ ہستی میں تو سماتی ہے

کس خموشی سے اُڑ رہے ہیں طیور
تو رہِ آشیاں دکھاتی ہے

ریزشِ دانہائے اختر کو
مزرعِ آسماں میں آتی ہے

تو ہر طیرِ آشیاں رو کو
چشمِ صیاد سے چھپاتی ہے

صبح در آستیں ہے تو شاید
آنکھ اختر کی کھلتی جاتی ہے

تو پیامِ وفاتِ بیداری
محفلِ زندگی میں لاتی ہے

اپنے دامن میں بھر کے غنچہ و گل
خواب لے کر چمن میں آتی ہے

تیری تاثیر ہو گئی آخر
میری تقدیر ہو گئی آخر

بند ہفتم

آبرو جائے موت کی نہ کہیں — موت بن جائے بےکسی نہ کہیں

درد کو زندگی سمجھتے ہیں — جاوداں ہو یہ زندگی نہ کہیں

ہوں وہ بیکس کہ ڈرتا رہتا ہوں — چھوڑ دے مجھ کو بےکسی نہ کہیں

زخم منت پذیر مرہم ہے — چھپ کے سنتی ہو چاندنی نہ کہیں

غنچۂ دل میں ہے چٹک ایسی — اس کلی میں ہو بےکلی نہ کہیں

ہوں نفس دو نفس مثال سحر — موت ہو میری زندگی نہ کہیں

گاہے ماہے ہلال آتا ہے — ہو لبِ جان مفلسی نہ کہیں

ماہ کے بھیس میں نمایاں ہو — اپنی تقدیر کی کجی نہ کہیں

خطِ دستِ سوال ہے اپنا — ہو رگِ جانِ مفلسی نہ کہیں

قابلِ بحر زندگی نہ ہوا
ٹکڑے ٹکڑے مرا سفینہ ہوا

بند ہشتم

سیر میں اب نہ دل لگائیں گے — کس کی انگلی پکڑ کے جائیں گے
صبح جانا کسی کا وہ گھر سے — اور وہ رونا کہ ہم بھی جائیں گے
کھیل میں آ گئی جو چوٹ کبھی — کس کی آنکھوں سے اب چھپائیں گے
کوئی ناغہ جو ہو گیا تو کسے — ساتھ مکتب میں لے کے جائیں گے
سننے والے گزر گئے اے دل — اپنے شکوے کسے سنائیں گے
اُٹھ گئے آہ قدرداں اپنے — لکھ کے تختی کسے دکھائیں گے
دردِ دل کی زباں نرالی ہے — تجھ کو اے خامشی سکھائیں گے
کس غضب کے نصیب ہیں اپنے — روتے آئے تھے روتے جائیں گے
عید آئی ہے اے لباسِ کہن — اب ترے چاک پھر سلائیں گے

عید کا چاند آشکارا ہوا
تیرِ غم کا جگر کے پار ہوا

بند نہم

آنکھ میں تارِ اشکِ پیہم ہے
کیا رواں آبِ خنجرِ غم ہے

دیکھ اے ضبط گر نہ جائے کہیں
اشکِ غم آبروئے ماتم ہے

اے مہِ عید تو ہلال نہیں
سینہ کاوی کو ناخنِ غم ہے

پھول ایسا ہے اشکِ چشمِ یتیم
رونقِ خانۂ محرم ہے

اس گلستاں میں آشیاں ہے مرا
ہر شجر جس کا نخلِ ماتم ہے

کس کے نظارۂ مصیبت کو
ماہ بامِ فلک پہ یوں خم ہے

خونِ امید ہے یہ اشک نہیں
کس بھلاوے میں چشمِ پرنم ہے

پوچھنا اے نفس نکل کے ذرا
کیوں اجل کا مزاج برہم ہے

اے فلک کیوں زمیں ہی برسرِ کیں
میری بربادیوں کو تو کم ہے

ہے جو دل میں نہاں کہیں کیونکر
مفلسی کے ستم سہیں کیونکر

بند دہم

ہاتھ اے مفلسی صفا ہے ترا
ہائے کیا تیرِ بے خطا ہے ترا

تیرہ روزی کا ہے تجھی پہ مدار
بدنصیبی کو آسرا ہے ترا

مایۂ صد شکست قیمتِ دل
دہر میں ایک سامنا ہے ترا

تو بھلا مجھ پہ کیوں نثار نہ ہو
کہ یتیمی تو مدعا ہے ترا

مسکراتا ہے تجھ کو دیکھ کے زخم
یہ کوئی صورت آشنا ہے ترا

التجا پر خموشئ منعم
ایک فقرہ جلا بھنا ہے ترا

یہ بھی کیا دامنِ یتیمی ہے
نام کیسا نکل گیا ہے ترا

موت مانگے سے بھی نہیں آتی
درد کیا زندگی مزا ہے ترا

شورِ آوازہ چاکِ پیراہن
لبِ اظہار مدعا ہے ترا

ہیں جہاں کو غموں کے خار پسند
اس چمن کو نہیں بہار پسند

بند یازدہم

چمنِ خار خار ہے دنیا
خونِ صد نو بہار ہے دنیا

زندگی نام رکھ دیا کس نے
موت کا انتظار ہے دنیا

ہے نسیمِ جہاں خزاں پرور
دیکھنے کو بہار ہے دنیا

ڈھونڈ لیتی ہے آنکھ اک پہلو
درد کی غمگسار ہے دنیا

ہے تمنا فزا ہوائے جہاں
کیا شکستِ خمار ہے دنیا

خون روتا ہے شوق منزل کا
رہزن و رہ گزار ہے دنیا

جان لینی ہے جستجو اس کی
دولتِ زیرِ مار ہے دنیا

یاس و امید کا ملاوا ہے
کوئی جاتی بہار ہے دنیا

خندہ زن ہے فلک رووں پہ جہاں
چرخ کی رازدار ہے دنیا

اہلِ دنیا و شرحِ دردِ جگر
رگِ بے خون کاوشِ نشتر

بند دوازدہم

کیا قیامت ہیں غم کے آنسو بھی
بڑھتا جاتا ہے دردِ پہلو بھی

نوکِ مژگاں ہے نشترِ رگِ اشک
خوں فشاں ہو رہے ہیں آنسو بھی

ٹوٹی پھوٹی زباں میں کہتا ہے
رنگِ احوال دردِ پہلو بھی

سوزشِ اشکِ غم ہے برقِ مژہ
جل گیا سبزۂ لبِ جو بھی

آہ اے چشمِ اشک ریزِ یتیم
خواب کا اک خیال ہے تو بھی

حسرتِ دیدِ غمگسار نہ پوچھ
چشم ریزاں ہیں میرے آنسو بھی

قطرۂ خوں تو عام ہے لیکن
دل کو کہتے ہیں دردِ پہلو بھی

آ ترے صدقے اے خیالِ پدر
عید کا چاند ہو گیا تو بھی

ہائے اے برق بن گئی گر کر
میرے حاصل کی آبرو تو بھی

عید کا چاند اضطراب بنا
طاقِ آتش گہِ عذاب بنا

بند سیزدہم

طعن دیتا ہے کس بلا کے مجھے
آسماں بن گیا ستا کے مجھے

ہائے بے خود کیا تصور نے
داستان عرب سنا کے مجھے

ہے تصدق مری یتیمی پر
کوئی نقشہ دکھا دکھا کے مجھے

چاہیئے اے خیال پاس ادب
تو کہاں لے گیا اُڑا کے مجھے

ہائے اے آتش فراق پدر
خاک کر دے جلا جلا کے مجھے

اے یتیمی فنا دگی بن کر
چھوڑنا خاک میں ملا کے مجھے

لب اظہار وا ہوا نہ کبھی
تم نے دیکھا ہے آزما کے مجھے

پردہ رکھے شکستہ پائی کا
کارواں لے چلا اٹھا کے مجھے

زندگی کیا اسی کو کہتے ہیں
کہ مزے مل گئے فنا کے مجھے

عرش ہلتا ہے جب یہ روتے ہیں
کیا یتیموں کے اشک ہوتے ہیں

بندِ چہاردہم

کیا ہنسی ضبط کی اُڑاتے ہیں
اشک آ آ کے چھیڑ جاتے ہیں

اک بہانہ ھلال عید کا ہے
قوم کو حالِ دل سناتے ہیں

کس مزے کی ہے داستاں اپنی
قوم ہنستی ہے ہم ہنساتے ہیں

دیکھ اے زندگی مرے آنسو
یہ ترے نقشِ نو مٹاتے ہیں

ہاں بتا اے فلک کہ طفلی ہیں
درد کو کس طرح چھپاتے ہیں

خاک راہِ فنا میں اڑتی ہے
منہ کفن میں چھپائے جاتے ہیں

وہ بھی ہوتے ہیں اے خدا کوئی
جو مصیبت کو بھول جاتے ہیں

اس طرح کی ہے داستاں اپنی
ہے عیاں جس قدر چھپاتے ہیں

ہم نہ بولیں تو خامشی کہدے
یہ قیامت کے دکھ اٹھاتے ہیں

آبرو بڑھ گئی خموشی کی
یہ زباں بن گئی یتیمی کی

بند پانزدہم

رنگِ گلشن جو ہو خزاں کے لئے
قہر ہوتا ہے باغباں کے لئے

چاہئے پاس برق کا اے دل
ہو خسِ خشک آشیاں کے لئے

اُڑ کے آتا ہے رنگ عارضِ زرد
کس مصیبت کی داستاں کے لئے

حال دل کا سنا دیا سارا
کچھ بھی رکھا نہ رازداں کے لئے

ہے اقامت طلب جدا مری
قوم ہو خضر اس مکاں کے لئے

ہاتھ اے قوم مہرباں تیرا
ابر ہے کس کے گلستاں کے لئے

حال اپنا اگر تجھے نہ کہیں
اور رکھیں اسے کہاں کے لئے

صورتِ شمع خانۂ مفلس
خامشی ہے مری زباں کے لئے

اب مگر ضبط کا نہیں یارا
لب ترسنے لگے فغاں کے لئے

دردمندوں کی دردخواہ ہو قوم
بے کسوں کی اُمید گاہ ہے قوم

حافظ شیرازی

پہلے راقم الحروف کا ارادہ تھا کہ مرقومۂ ذیل اشعار کو باقیات اقبال میں شامل نہ کیا جائے مگر بعض احباب کا اصرار ہے کہ انھیں ضرور شایع کیا جائے اس لئے کہ اگرچہ علامہ نے ان اشعار کو اسرارِ خودی کے دوسرے ایڈیشن میں حذف کر دیا تھا مگر علامہؒ کے خیالات میں کسی قسم کا تغیر نہ آیا تھا۔ لہذا یہ اشعار بطور ضمیمہ کے شایع کئے جاتے ہیں۔

بند کا واحِد

ہوشیار از حافظ صہبا گسار — جامش از زہر اجل سرمایہ دار

رہن ساقی خرقۂ پرہیز او — مے علاج ہول رستاخیز او

نیست غیر از بادہ در بازارِ او — از دو جام آشفتہ شد دستار او

چوں خراب از بادہ گلگوں شود — مایہ دارِ حشمتِ قاروں شود

مفتئ اقلیم او مینا بدوش — محتسب ممنونِ پیرِ مے فروش

طوف ساغر کرد مثلِ رنگ مے — خواست فتویٰ از رباب و چنگ و نے

در رموزِ عیش و مستی کاملے — از خمے خوں دردے یاد در گلے

رفت و شغل ساغر و ساقی گذاشت — بزم رندان و مے باقی گذاشت

چوں جرس صد نالۂ رسوا کشید — عیش ہم در منزلِ جانان دید

در محبت پیروے فرہاد بود — بر لبِ او شعلۂ فریاد بود

تخم نخلِ آہ در کہسار کاشت — طاقتِ پیکار با خسرو نداشت

مُسلم و ایمان او زنار دار — رخنہ اندر دینش از مژگان یار

آنچناں مستِ شرابِ بندگی است — خواجہ و محروم ذوقِ خواجگی است

"دعوئی او نیست غیر از قال و قیل" — "دست او کوتاہ خرما بر نخیل"

آں فقیہ ملتِ مے خوارگان — آں امام امتِ بیچارگان

گوسفند است و نوا آموخت است — عشوۂ ناز و ادا آموخت است

دلربایہائے او زہر است و بس — چشم او غارتگر شہر است و بس

ضعف را نام توانائی دهد / سازِ او اقوام را اغوا کند
از بزِ یونان زمین زیرک‌تر است / پردهٔ عودش حجاب اکبر است
نغمهٔ چنگش دلیل انحطاط / هاتفِ او جبرئیل انحطاط
بگذر از جامش که در مینای خویش / چون مریدان حسن دارد حشیش
از تخیل جنتی پیدا کند / مر ترا از نیستی شیدا کند
ناوک اندازی که تاب از دل برد / ناوک او مرگ را شیرین کند
مار گلزاری که دارد زهر ناب / صید را اول همی آرد بخواب
عشق با سحر نگاهش خودکشی است / کشتنش مشکل که ما را خانگی است
حافظ جادو بیان شیرازی است / عرفی آتش زبان شیرازی است
این سوی ملکِ خودی مرکب جهاند / آن کنار آب رکن آباد ماند
این فتیلِ همّتِ مردانهٔ / آن ز رزِ زندگی بیگانهٔ
دست این گیرد ز انجم خوشهٔ / چشم آن از اشک دارد توشهٔ

روز محشر جسم اگر گوید بگیر — عرفیا! فردوس و حورانِ حریر

غیرتِ او خنده بر حوران زند — پشت پا بر جنت الماویٰ زند

باده زن با عرفیِ ہنگامہ خیز — زندہ؟ از صحبتِ حافظ گریز

ایں فسوں خواں زندگی از ما ربود — جامِ او نشانِ جمی از ما ربود

محفل او درخورِ ابرار نیست — ساغرِ او قابلِ احرار نیست

بے نیاز از محفلِ حافظ گذر

الحذر از گوسفنداں الحذر